قاضی صاحب

(قاضی احسان احمد شجاع آبادی)

مُرتّبہ

سید انیس شاہ جیلانی

یکے از مطبوعات

حیرت
شملوی
اکادمی

محمد آباد ضلع رحیم یار خاں

مغربی پاکستان

یکے از مطبوعات

حیرت شملوی اکادمی

جملہ حقوق محفوظ	سلسلہ مطبوعات ۳
اشاعت اول	۱۳۹۰ھ — ۱۹۷۰ء
ناشر	حیرت شملوی اکادمی
طابع	یور پرنٹرز۔ سکھر
کتابت	مبشر حسین
باہتمام	شیخ محمد فاضل
قیمت	دو روپے

ملنے کا پتہ

حیرت شملوی اکادمی

محمد آباد ضلع رحیم یار خاں

مغربی پاکستان

الفہرست

انتساب

بندگانِ
تسلیم و رضا ـــــــ کے نام

غریقِ رحمت کا سالِ ماتم

وہ قاضی احسان احمد اے دل وہ رکن احرار مردِ کامل
خطیب و واعظ ادیب و فاضل کہ یاد اُس کی سکوں فزا ہے

بصیرت آئیں حیات اُس کی بصیرت افروز ذات اُس کی
دل و نظر کائنات اُس کی دل و نظر کی جو رہ نما ہے

وہ بذلہ سنج و لطیف و عابد جہادِ احرار کا مجاہد
نہ صرف مُلّا نہ خشک زاہد نظر میں اب تک وہ با صفا ہے

رئیسؔ ایسے عظیم انسان اب کہاں اس معاشرے میں
غریقِ رحمت کا سالِ ماتم "غریقِ رحمت جدا ہُوا ہے"

۱۹۶۶ء

رئیسؔ امروہوی

ایسے ظالم

لکھنے پڑھنے کا لطف میرے خیال میں موسم کے تغیر و تبدل کا بڑی حد تک مرہونِ منت ہوا کرتا ہے۔ گرمی یہاں اس قدر شدید پڑتی ہے کہ آدمی پگھل کر رہ جائے۔ جاڑوں میں انگلیاں ٹھٹھر کر ہی کیوں نہ رہ جائیں طبیعت ہٹتی نہیں، جی لگا رہتا ہے، لرزتے کانپتے بقدرِ ظرف و نظر قلم چلا لیتا ہوں۔ جنوری کا ذکر ہے رکی ہوئی طبیعت کی روانی عروج پر تھی اس بات بے بات اس کا ذکر محب گرامی،

میر سید زاہد حسین
(صادق آباد)

سے لے بیٹھا۔ فرماتے ہیں،

"نیاز شاہد اور غالب پر آپ کی مضمون آرائی باعث طمانیت ہے لیکن یہ "مولانا" شجاع آبادی والی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر آپ نے تحریک پاکستان کے مخالفوں ہی کو مرحِ خیال پر جا بٹھانا ہے تو یہ "سعادت" یقیناً آپ کے لئے اخروی "فلاح" کا باعث ہوگی۔ برصغیر کے کچھ تو جن سنگھی "مسلمان" جہنم واصل ہو چکے ہیں اور کچھ ابھی حیات ہیں، اگر حکم ہو تو میں اُن سب کی ایک فہرست بنا کر پیش کر دوں۔ اس سلسلہ میں ایک تجویز اور بھی پیش کرنے کی اجازت

چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ اپنی حیرت شملوی اکادمی
کا نام جن سنگھ اکادمی رکھ دیجئے یہ ایک بڑا کام ہوگا اور
آپ اس سے بڑا نام پائیں گے، صرف یہی نہیں بلکہ تا
حیات آپ پر درود و سلام کی برسات ہوتی رہے گی
اف رے مظلوم پاکستان! بدنصیب پاکستان! تیری
طوبیٰ سے حسین تر چھاؤں میں امن اور فلاح کی نیند
سونے والے کس کس طرح تیری جڑوں میں تیزاب
انڈیل رہے ہیں اور تو انہیں جاننے اور پہچاننے کے
باوجود کس کس طرح ان کی دل داری کر رہا ہے۔
ان کی ناخلفی استغفراللہ، تیری بیتا سبحان اللہ۔"

کیا یہ انتہا پسندانہ باتیں اس کی مستحق نہیں ہیں کہ ان پر لیبل "پاکستانی
جن سنگھیت" کا لگا دیا جائے؟ تحریک پاکستان میں بساط بھر آزادی پسند
مسلمان نے حصہ لیا، خاصی بڑی تعداد کل بھی اور آج بھی تقسیم ملک کی
مخالف تھی، وہ اپنا حق پورے برصغیر پر جتاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ
حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ اس میں سیاست دان بھی ہیں، علماء کرام
بھی، صوفیاء بھی اور شاعر و ادیب بھی، غریب، امیر، جاہل، پڑھے لکھے بھی
بے نیچے۔ دوسری طرف ایک عظیم اکثریت مکمل آزادی اور خالص اسلامی
حکومت برپا کرنے کی خواہاں تھی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہم انگریز کی
غلامی سے نکل کر ہندو کے جال میں نہیں پھنسنا چاہتے، لہٰذا اپنی دنیا الگ

بنائیں گے۔ خوب معرکے رہے، چونچیں چلیں، کون ہارا کون جیتا، اسے چھوڑیئے دیکھنا یہ ہے کہ جب پاکستان ایک حقیقت بن کر سامنے آ گیا تو اس مدرسۂ فکر نے جس سے قاضی صاحب تعلق رکھتے تھے بے چون و چرا اس کی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں پیش قدمی دکھائی یا نہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی "غلطی" تسلیم کر لی اور یہ ان کی عظمت پر دال ہے۔
کوئی نہ مانے تو

ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی۔

سید انیس شاہ جیلانی
محمد آباد ضلع رحیم یار خاں
(مغربی پاکستان)

۲۱ جون ۱۹۶۹ء بروز یک شنبہ
پونے آٹھ بجے شام

ذکر اُس پری وش کا

میں نے جس گھر میں آنکھیں کھولی ہیں چاہیئے تو یہ تھا بُو ہر طرف سے کفن و کافور کی آتی، محافلِ سماع اور قوالیوں کی دھوم ہوتی، اوراد و وظائف نوافل اور چلہ کشی کے چرچے ہوتے، تعویذ گنڈے مریدان باصفا کی چہل پہل اور نذر و نیاز کی ریل پیل ہوتی۔ مگر یہاں تو ارکانِ اسلامی کی بھی ٹپہ دار پابندی دیکھنے میں آئی یعنی قرآن کی تلاوت تو باقاعدگی سے ہوتی رہتی ہے مگر اس کی دور از کار تاویلات سننے میں نہیں آئیں۔ فرض کے علاوہ ہزارہا نوافل کے افسانے کسی نے نہیں دہرائے۔ متشرع و مقطع کی بجائے ہلکی خشخشی ڈاڑھی پر خاصی نکلتی ہوئی مونچھیں مردانہ وجاہت میں ایک خوش گوار اضافہ محسوس ہوئیں۔ احباب کی طویل و عریض ڈاڑھیوں اور ریاکارانہ خضوع و خشوع پر ہلکی پھلکی بے ضرر چوٹیں اور مذہبی مسائل پر حوصلہ مندانہ بحث و نظر میں اباجان آگے آگے رہے ہیں۔ گھر سے نکل راہ انسانوں کے جنگل کراچی کی لی۔ مرحوم رئیس احمد جعفری ندوۃ العلماء کے سند یافتہ "مولوی" ہونے کے باوجود ڈاڑھی مونچھ کے جھنجھٹ سے یکسر آزاد، نماز کے عید کے بھی روادار نہیں تھے۔ البتہ غصے کی جھانجھ میں قرآن بھی پڑھتے اور نماز بھی۔ فضا مذہبیت سے نہیں شعریت سے معمور زیادہ ملی۔ اس لئے

سچی بات تو یہ ہے کہ "مولویوں" کے ساتھ ساتھ علمار کرام کی خوشہ چینی سے بھی یک گونہ احتراز ہی رہا۔ اسی لئے جب میرے چچازاد بھائی سید صالح محمد شاہ جیلانی نے اپنے ایک ایسے مہمان کو جس کی مولویت کی سن گن میں پا چکا تھا لواللنے کی تحریک کی تو میں گویا مارے باندھے ان کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ بیس پچیس میل چل کر گاڑی ایک رئیس رحیم خاں لغاری (رحیم آباد) کے دولت کدے پر رکی۔ ہمیں ہاتھوں ہاتھ تو نہیں بہرحال لیا گیا۔ مہمان مذکور سے بھی مصافحہ اور رواجی معانقہ ہوا۔ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد حضرت آمادۂ سفر ہوئے۔ ان کے ہمراہی نے اسفنج کی چپل ہٹا کر پمپ شو پہنائے اور ہم پھر انہی راہوں سے گھر کو آئے جن سے گئے تھے۔ باتیں اپنی نظربندی اور قید وبندگی، قصے اخلاقی قیدیوں کے، اور اُن کے نفسیاتی مطالعہ کا تذکرہ، اُن کے کردار کی بلندی عادات واطوار کی شائستگی اور رخندا جانے کیا کیا کچھ سناتے رہے۔ پہنچے تو گفتگو کا رنگ کچھ اور نکھر آیا مذہبی سیاسی ثقافتی ادبی وشعری لطیفے چٹکلے طنز ومزاح غرض وہ کسی میں بند نہ تھے۔ بڑی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ باوجود ریش وفش مولویانہ تقشف یبوست اور تنگ نظری کا دور دور پتا نہ تھا۔ میں اس دو تین گھنٹے کی نشست میں منقار زیر پر رہا، گل افشانیٔ گفتار، حیا وادا کے مزے لوٹتا رہا۔ اتنے ہی میں اندازہ ہو گیا کہ آدمی معقولیت پسند اور کشادہ ذہن ہے۔ ظاہری شکل وصورت بھی جاذب نظر تھی، نکلتا ہوا قد، کتابی چہرہ، غالب کی زبان میں چمپئی رنگ جس کی دیدہ ور لوگ ستائش کیا کرتے تھے،

چاندی سی مشت بھر سے ذرا بڑی کھچڑی داڑھی، شرعی کتروا اں لب، ناگوں کی طرح بل کھاتی ہوئی باہتمام بنی سنوری زلفیں جو عنفوان شباب میں گھنی زلفوں کی چغلی کھا رہی تھیں، سرخ ڈورے پڑے ہوئے چھوٹی جگر جگر کرتی ہوئی خمار آلود سرمئی آنکھیں جن میں ساری مستی شراب کی سی تھی۔ شرارت آمیز سوالات کے جواب میں ایک انداز دلربایانہ سے دیکھتے کہ معترض گھائل ہو کر رہ جاتا۔ انداز گفتگو ایسا پیارا کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ پھول جھڑتے تھے تو مبالغہ نہ ہوگا بے اختیار منہ چوم لینے کو جی چاہے۔ گلا ایسا صاف کہ گھنٹوں بے تکان بولنے کے باوجود کیا مجال جو اکھڑ جائے۔ کبھی نرم ایسے کہ شبنم، بعض وقت جوش تقریر میں اذان دینے کا گمان ہوتا۔ قابو سے نکل نکل جاتے اور دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان بن جاتے۔ شیرینی میں تلخی شاعرانہ زیر و بم سے بھرپور، رسیلے ہونٹ گلاب کی پنکھڑی سے مشابہ، باتوں باتوں میں اس طرح سکیڑتے گویا الفاظ پر مٹھاس چڑھائی جا رہی ہے۔ خفیف لکنت اور رس گھول رہی تھی۔ دانت سرائیکی محاورے کے مطابق "موتی کے دانے" بدن مائل بہ فربہی، ہلکی سی توند نکلی ہوئی، سر پہ ریشمی رومال لپٹا ہوا، بر میں نفیس ململ کا کُرتہ لٹھے کا تہبند (ایک مدت تک والدہ کے کاتے ہوئے سوت کے کپڑے پہنتے رہے) چھیلا بنے دلوں کو گرما اور برما رہے تھے رجھا رہے تھے، مرغ زریں بنے ہجوم عاشقاں میں گھرے ہوئے

بلبل کی طرح چہک رہے تھے۔ ہو بہو اپنے مرشد روحانی سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر، اُس کو چھپا لو اِس کو نکالو، یہی تو تھے قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔

میں انہیں عام مُلا سمجھا تھا جو خدا کی ربوبیت اور رحمانیت کا کم اور قہرمانیت کا ذکر بڑے اہتمام اور شد و مد سے کرتے ہیں۔ نماز روزہ مظہر ہوتا ہے ڈر اور خوف کا ورنہ جو خشیت چاہیئے وہ ایسی تعلیم کے قریب بھی نہ پھٹکیں گے۔ دماغ نے دل سے کہا "مولوی ہے زندہ دل"! وہ روایتی خشکی اور درشتی جو "مولوی" کا طرۂ افتخار ہے اس کا بہت کم حصہ اس کے حصہ میں آیا ہے۔ مسلسل تین چار گھنٹے کی تقریری گفتگو (واعظانہ نہیں) نظریات اور افکار کی خوشگوار تشریح اور پرچار، دل کے تاروں کو چھیڑ ہی گیا۔ اور جی یہ چاہنے لگا کیوں نہ اس یونانی دیوتا نما مولوی کی تصویر اتار لی جائے۔

کیا آپ تصویر اتروانے کے قائل ہیں؟

قائل! میں تو پجاری ہوں۔

نظر بظاہر اس "ملاٹے" سے اس شگفتگی کی توقع نہیں تھی پھڑک کر ہی تو رہ گیا۔ اب کیا تھا میں ان کے نشانے کی زد میں تھا اور میری خامشی کے بند کو اپنی بے پناہ روانیٔ تقریر سے توڑتے چلے گئے۔ لطیفے چٹکلے پھبتیاں ہر پہلو سے مجھ پر وار ہوئے اور میں نیم بسمل ہو کر رہ گیا، اک بے خودی کی سی حالت مجھے قریب سے قریب تر لے گئی۔

معلوم شد کہ اب بچ کر نکلنا محال ہے میں نے سپر ڈال دی اور زبانِ تکلم دراز کی۔ بڑی حیرت ہوئی میرے ہر اوچھے وار کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا گیا، بزلہ سنجی سے میرے حوصلے بڑھائے گئے اور میں اس قدر بیباک ہوا کہ سوالات کی ناموزونیت کے ساتھ ساتھ لہجہ کی کرختگی بھی جھلک دکھا جاتی۔ وہ اس پر بھی تیوری چڑھائے بغیر اپنے دلائل و شواہد سے نہ صرف مجھے بلکہ تمام حاضرین کو بہالے گئے وہ اپنی ذات سے اک انجمن تھے، سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتے تھے۔ بڑے بڑے دقیق مذہبی مسائل باتوں باتوں میں حل کر دیتے۔

میں نے اس "واعظ" کا یہ نرالا رنگ بھی دیکھا کہ خود نماز پڑھتا ہم دیکھا کرتے۔ وہ تماشا ہم تماشائی، کیا مجال کبھی یہ کہا ہو تم نماز کیوں نہیں پڑھتے یا آؤ نماز پڑھ لیں۔ نماز کا وقت ہوا لوٹا سنبھال وضو کیا اور کھڑے ہو گئے۔ باجماعت کو ترجیح دیتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں پیچھے رہ جاتا تھا، جی نہیں وہ بجائے نماز پڑھنے کی تاکید کے فضائل نماز اس خوبصورتی سے بیان کرتا کہ بے اختیار نماز پڑھنے کو جی چاہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی آنکھوں میں خون اترتا نہ آنکھیں ابلی پڑتیں جیسا کہ عام "واعظین" کا معمول اور دستور ہے۔ کف بھی جاری نہ ہوتا بلکہ مسکراہٹ کھیلتی رہتی، مزے مزے سے وہ شعور کی دبیز تہوں کو کھولتا جاتا اور بے اختیار کر دی

کھنچا چلا جاتا ۔ میرے سامنے صرف ایک بار ایسا ہوا کہ انہوں نے میرے
ایک دوست چپو صاحب کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھ کر
براہ راست محبت آمیز لہجہ میں ٹوکا، جس کا اثر میں سمجھتا تھا سامع کے
دل پر نہیں ہوگا، مگر ہوا اور اُس نے پھر کبھی انگوٹھی نہیں پہنی۔

ہاں خوب یاد آیا میری ان سے یہ دوسری "ملاقات" تھی، دلہار
سے صادق آباد کا ریل کا سفر آدھ گھنٹے کا ہے اتفاق سے جس "انٹر کلاس"
میں ہم سوار ہوئے اُسی میں یہ حضرت بھی براجمان تھے۔ میرے ساتھی
ارادتمندانہ ملے۔ میرے ہاتھ میں "مکاتیب شبلی" تھے، اسی مجموعے
میں مہدی افادی کے نام شبلی کے عطیہ سے والہانہ جذبات وضاحت
طلب نہیں رہتے، لے کر دیکھنے لگے۔ پندرہ منٹ بعد گاڑی ماچھی گوٹھ
پر رکی، یہی وہ مقام ہے جہاں جماعت اسلامی کا مخصوص تاریخی اجتماع
ہوا تھا اور مولانا مودودی شام کو دو چار میل کھیت کھلیانوں میں ٹہلنے نکل جاتے تھے یہاں
قاضی صاحب کے ایک دولت مند عقیدت کیش نے زبردستی اتار لیا،
شکر ہے میری کتاب مجھے واپس مل گئی ورنہ مرحوم کی عادت تو یہ تھی کتاب
ہو یا رسالہ کہیں سے بھی ہاتھ لگے چھوڑتے نہیں تھے۔ کتب خانہ دس
ہزار کتابوں پر مشتمل رہا ہوگا اس کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ ہماری تین
چار ہزار کتابیں دیکھ کر فرمایا، تو اس سلسلے میں میں زیادہ خوش بخت
ہوں، اتنی کتابیں اِدھر اُدھر سے تو جمع ہونے سے رہیں۔ خریدتے
ضرور ہوں گے جیسا کہ ایک بار بتایا "مسٹریز آف لندن" قیمتاً طلب

قاضی صاحب کے ساتھ مولف کے بڑے فرزند سید ابوالکلام
دائیں مولوی قادربخش صاحب اور بائیں محمد اقبال صاحب

کرچکا ہوں۔ وہی کہتے تھے اس میں ملکہ وکٹوریہ کے حالات معاشقہ ہیں اور قاضی صاحب کو ان کی کرید تھی اس لئے کہ مرزا صاحب تو اس کی شان میں قصیدے لکھ رہے تھے اور اس کی اخلاقی پستی کا کوئی ٹھکانہ تھا مجھ سے عبدالمجید سالک کا خط مانگ کر لے گئے، شورش کاشمیری اور دوسروں کو دکھاتے پھرے اور کہتے تم تو سالک کے تردیدی مراسلات شائع کر رہے ہو، وہ پس پردہ تحقیق مزید میں لگا ہوا ہے۔ بارہا تقاضے کئے پی گئے۔ خواجہ عبدالوحید خوش بخت نکلے، علامہ اقبال کے دستخطی بیانات وغیرہ قاضی صاحب تین برس تو دبائے بیٹھے رہے پھر لوٹا دیئے مذکورہ خط میں نے ازراہ "خلوص" کراچی سے ملتان کے لئے سفر کر رہے تھے تو سوتے میں سے جگا کر پیش کیا تھا۔ یہ سفر وہ درجہ دوئم میں کر رہے تھے۔ ہوا یہ تھا کہ سالک مرحوم نے مکتبہ چٹان کے زیر اہتمام چھپنے والی کتاب "یاران کہن" میں کہیں لکھ دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جنازے کے ساتھ ساتھ مولانا ابوالکلام آزاد لاہور سے بٹالے تک گئے تھے۔ اب کیا تھا اہل سنت والجماعت کا "نقیب" "سہ روزہ دعوت" (جو بعد میں ماہنامہ ہو گیا تھا) اسے لے اڑا اور زہر اگلنے لگا۔ مولانا آزاد کو لکھا گیا، ان کے سکریٹری کا تردیدی بیان "چٹان" میں شائع ہوا، معذرت نامہ احتراماً سالک نے بھی چھپوا دیا۔ میں نے براہ راست پوچھا تو فرمایا مجھے جو کچھ یاد تھا لکھ دیا، لاہور تک آنے کی شہادت تو ایک کتاب کے حوالہ سے بھی دے دی، وہ اس تگ و دو میں بھی

تھے کہ کسی ماخذ سے آزاد کا ربوہ جانا بھی ثابت ہو جائے۔ مولانا آزاد سے ملاقات میں بھی اس کا ذکر آیا جو بقول سالک ہنسی میں اڑ گیا۔ یہ تمام مراسلت مرحومین کے خطوط کا مجموعہ "نوازش نامے" میں مَیں نے چھپوا دی تھی۔

میں ۱۹۶۱ء میں بخار کی شدت سے بستر گیر ہوا تو میرے جسم کو ایکسرے کی آنکھ سے میری حد سے بڑھی ہوئی ناتوانی کے پیش نظر ٹٹولا گیا، جہاں دل و جگر داغدار تھے وہاں پھیپھڑے بھی مفلوج پائے گئے۔ ناچار چھ مہینے شکن بستر بننا پڑا۔ قاضی صاحب کی محبت اور خورد نوازی ملاحظہ فرمایئے طبع پرسی کے لئے جون کی گرمی میں زحمت سفر اٹھائی۔ میں خس کی ٹٹیوں کی اوٹ میں لیٹا ہوا تھا دہلیز ہی سے پکار اٹھے مکار الملت یہ کیا چھل ہے کیوں پڑے ہوئے ہو۔ ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ احباب جمع ہو گئے گفتگو کا ایک نہ رکنے والا دھارا بہہ نکلا۔ زن و شو کے ازدواجی مسائل پر بول رہے تھے۔ استاذی مولوی قادر بخش نے چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد کے طور پر ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔ بپھر ہی تو گئے دلائل و شواہد سے حقوق نسواں کی اہمیت جتلاتے رہے۔ تیور دیکھ کر مجھے یہ گمان ہوا کہیں دل پر غبار نہ آ گیا ہو مگر یہ صرف میرا وہم تھا۔ دوپہر کے کھانے پر پھر وہی بذلہ سنجی اور استاذی سے آموں کی چھین جھپٹ ... اسی ملاقات میں فرمایا سالک کو مرحوم نہیں آنجہانی لکھا کرو، ... واضح طور پہ آپ نے

سنی العقیدہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں، بدگمانی کی کیا ضرورت پیش آئی۔ نہ مانے اور اپنی رائے پر اڑے رہے۔ ایسا ہی معاملہ مشہور شاعر رئیس امروہوی سے تھا، ملکہ برطانیہ کی آمد پر رئیس نے ایک طنزیہ نظم لکھی، ہجو ملیح کا بہترین نمونہ، برسر مجلس پڑھ کر سنائی اور لگے غداری اور ملک دشمنی کے الزامات لگانے۔ حالات کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے، احراری لیڈروں پر بھی ارباب حکومت نے وقتاً فوقتاً الزام ملک دشمنی ہی کا لگایا ہے اور ایک مدت تک معتوب رہے۔ نظم گو ذرا طویل ہے مگر اس کا یہاں نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

مثنوی آمدنامہ

بتقریب نزول جلال کوئین الزبتھ ثانی خلد اللہ ملکہا و سلطنتہا

اے کشور پاک و پاک کشور
تابندہ و تابناک کشور

اللہ رے آب و تاب تیری — تقدیر ہے لاجواب تیری
از راہ فیوض بادشاہی — بخشندۂ شانِ کج کلاہی
سلطانہ و شہریار انگلینڈ — مخدومہ و تاجدار انگلینڈ
اس خاک پر جلوہ گر ہوئی ہے — جلوہ دہ بحر و بر ہوئی ہے
شہزادئ بحر و بر ہے آخر — سلطانۂ خشک و تر ہے آخر
وہ دائرہ، عزم کا عمل کا — وہ دولتِ مشترک کی ملکہ

وہ نیّرِ اوجِ خود پسندی — وہ اخترِ برجِ فتحمندی
معبودۂ جرگۂ رعایا — وہ خلق پہ کبریا کا سایہ
مسجودۂ بندگانِ دولت — مخدومۂ خادمانِ صولت
منصور و مکرم و مظفر — وکٹوریہ جاہ الزبتھ فر
قانون کو ورد جس کا ہرولڈ — وہ وارثِ اقتدار اِڈورڈ
وہ شمعِ محافل و مجالس — وہ چشم و چراغ جارج خامس
خاتون حریمِ حکمرانی — وہ جارج دی سکستھ کی نشانی
سب ڈھنگ ہیں جلوہ و ضیا سے — انجم کی نمود نقشِ پا سے
کس شان سے وہ رواں دواں ہے — راہوں پہ گمانِ کہکشاں ہے
ذروں کی روش بدل رہی ہے — افلاک کی چال چل رہی ہے
اربابِ نظر ادب سے جھانکیں — رستوں پہ بچھی ہوئی ہیں آنکھیں
اللہ رے وہ جلوسِ شاہی — امواجِ نسیمِ صبح گاہی
چلتی ہے ہوائے فتح و اقبال — جنبش میں ہے کاروانِ اجلال
ہر بندۂ بندگانِ عالی — ہر ایک حوالی و موالی
باہر نہ ہو جادۂ طلب سے — حاضر ہو قرینہ و ادب سے

اے کشورِ پاک و پاک کشور
تابندہ و تابناک کشور
ملکہ کا یہ مرکبِ ہمایوں
اس خاک پہ بس وہی ہے مضموں

پیاسوں کی زمیں پہ چشمۂ مُل — کانٹوں کے وطن میں خسروِ گل
دنیائے عزا میں جلوۂ عید — ذرات کی انجمن میں خورشید
پستی میں عروج سوز میں ساز — کنجشک کے گھونسلے میں شہباز
آنکھیں ہیں تجلیوں سے خیرہ — جھلسے ہوئے پتھروں میں ہیرا
یہ شان ہے اور کیوں نہ ہوتی — دریا میں گہر، صدف میں موتی
جلووں کی یہ شان چشم بد دور — فانوس میں لَو چراغ میں نور
سوکھے ہوئے بادلوں میں پانی — الفاظ کے دیس میں معانی
گونگے کی پکار میں لطافت — بہرے کے دیار میں سماعت
گنجا کسی تاج زر کا گاہک — اندھے کی دوکان اور عینک
لنگڑے سے امید رقص آہو — لُنجے کو غرور دست و بازو
بے رنگ فضا میں ماہ و مہتاب — بے آب ندی میں موجۂ آب
بے نور شعاع میں حرارت — بے نرخ متاع میں تجارت
پت جھڑ کا سماں بسنت کا روپ — پرچھائیں کی حاشیہ نشیں دھوپ
اندھیر نگر میں دانش و داد — عفریت کی گود میں پری زاد

اے کشور پاک و پاک کشور
تابندہ و تابناک کشور
سلطانہ و شہر یار انگلینڈ
مخدومہ و تاجدار انگلینڈ

اس خاک پہ جلوہ گر ہوئی ہے
گذری شبِ غم سحر ہوئی ہے

روزنامہ جنگ کراچی
۲ر فروری ۱۹۶۱ء

مجھ سے تقاضا ہوا کہ تم ایک مراسلہ اس نظم کے خلاف "جنگ" میں بھیجو، میں نے کہا کیوں نہ رئیسؔ سے پوچھ لیا جائے۔ جواب دوسری ڈاک سے آیا

" یہ نظم تو سراسر طنز ہے اور طنز بھی ایسا بے پناہ کہ جب ۱۱ر فروری کو یہ جنگ میں شائع ہوئی تو برٹش کونسل کے انگریز تک شکایت کرنے لگے کہ صاحب یہ تو بڑے تابڑ توڑ وار کئے گئے ہیں۔ ملکہ کو، خلق پہ کبریا کا سایہ (یعنی ظل اللہ) کہنا کیا مذاق اڑانا نہیں ہے۔

مسجودۂ بندگانِ دولت
مخدومۂ خادمانِ صولت

مسجودہ اور مخدومہ کے خطابات استعمال کرنا کیا ہے؟ محض تضحیک جس طرح حضرت علامہ اور ذات شریف وغیرہ کے الفاظ ہم مزاحاً وطنزاً استعمال کرتے ہیں، آپ بڑے حضرت ہیں، یہ تو علامۂ دوراں ہیں، ان ذات شریف سے ملئے، اس طرح اس نظم کے پورے الفاظ تراکیب استعارات وتشبیہات حضرت علامہ اور ذات

مشرلیف کے معنی میں استعمال کی گئی ہیں۔ اگر اس نظم کو مدح کہا جائے گا تو پھر ہجو ملیح کسے کہتے ہیں۔ طنز کس قسم ادب کا نام ہے؟ یہ نظم (غالباً جنگ کے ایڈیشن ۱۱ر فروری میں (ملکہ کا روز ورود غالباً وہی تھا) شائع ہوئی ہے اور ۱۰ر فروری کے جنگ میں یہ قطعہ چھپ چکا تھا کہ

کشور پاک میں سلطانۂ برٹش کا نزول
اور وہ شاہانہ سفر عالم سیاحی میں
کیوں نہ ہم لوگ پڑھیں ڈٹ کے قصیدے ان کے
پانچویں پشت ہے انگریز کی مداحی میں

اس سے اک روز قبل ۸ر فروری کو یہ قطعہ شائع ہوا تھا کہ

اے بزرگان شہر و اہل دیار　　آمد الزبتھ جلوس بہار
باادب باملاحظہ ہوشیار　　آرہی ہے سواری سرکار

کیا یہ سب طنز نہیں ہے؟ پھر عفریت کی گود میں پری زاد، ان اشاروں کو سمجھیے کون عفریت ہے؟ پری زاد کون ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ مجھے اس نظم کی اشاعت کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ہجو ملیح کے جرم میں (جو لفظ لفظ سے ٹپک رہی ہے) کہیں کوئی بلائے ناگہانی نازل نہ ہو جائے (جس سے مجھے ڈرایا گیا تھا)۔ بخدا اس نظم کی اپنی نیت کردار ساخت اور مقاصد اتنے واضح ہیں کہ اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

مہربانی کر کے اس نظم کو پھر پڑھیئے اور خالی الذہن ہو کر سوچیئے
کہ اس نظم میں کسی کی تعریف کی گئی ہے یا تنقیص ؟ جس نے کبھی
اپنے بزرگان دولت کی تعریف بھی نہیں کی (اور اگر کبھی کی ہو گی تو
بطور ہجو ملیح) وہ مخدوم زادیٔ افرنگ کی کیا مدح کرے گا؟

جہاں تک مجھے معلوم ہے رئیس ملکہ کے اعزاز میں دی گئی کسی دعوت
یا استقبالیہ میں شریک نہیں ہوئے یہ محض ان کے جذبۂ ملی اور شاعرانہ تخیل
نے رنگ باندھا اور خاکہ اڑا کر رکھ دیا۔ مہمان خواہ کسی درجہ کا ہو نعرۂ
تحسین وخوش آمدید تو بلند کرنا ہی پڑتا ہے البتہ اس میں اعتدال لازم ہے
مبالغہ آمیز اور حد سے بڑھی ہوئی تعریف و توصیف ظاہر ہے نمائندگی
تضحیک ہی کی کرتی ہے اور اسے ہجو ملیح بھی کہتے ہیں۔ حیرت مجھے اپنی کوتاہ فہمی
پر نہیں قاضی صاحب کی سخن فہمی پر ہوئی، نہ جانے کس عالم میں مرحوم نے یہ
نظم پڑھی۔ دیکھا جائے تو تاج برطانیہ کا سلوک مشرق خصوصاً مسلمانوں سے
کبھی منصفانہ نہیں رہا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس مہمان ناخواندہ کی آمد پر معترض
ہوتے، ارباب اختیار کو آڑے ہاتھوں لیتے جنہوں نے افرنگ زادی کے
"ذوق نظر" کی خاطر گرگٹ کی طرح خود پر تو قادر نہ ہو سکے البتہ بے جان عمارتوں
اور کھمبوں کا رنگ ضرور بدل دیا، اور اس پر مدتوں نازاں رہے۔ میں نے
اس خط کی نقل بھجوادی تھی، رئیس بیداد کا نہیں داد کا مستحق تھا مگر وہاں کون
سنتا ہے فرماتے ہیں

"رئیس امروہوی رافضی ہے تقیہ اس کا مذہب ہے"

ہم سے کچھ غیروں سے کچھ درباں سے کچھ

نظم قصیدہ ہے یا ہجو ملیح آپ اُسے اتنا لکھیں کہ "جنگ"
کے تمام قارئین اصناف سخن سے واقف نہیں میرے ایسے
"جاہلوں" کو بہت صدمہ ہوا ہے۔ وہ 'جنگ' میں اتنا
شائع کر دے کہ مذکورہ نظم کو شاعری کی اسی قسم سے
سمجھا جائے حقیقت واضح ہو جائے گی"۔

میری سمجھ میں نہیں آتا یہ ضد یہ ہٹ ان میں کیوں سما گئی تھی
قاضی صاحب رئیس الاحرار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
کے فرزند معنوی و روحانی تھے۔ چہرے مہرے سے ہو بہو شاہ جی کی تصویر۔
فکر و نظر، افکار و نظریات صورت شکل میں اس درجہ مماثلت بہت کم
پائی جاتی ہے۔ امیر شریعت کا ذکر آگیا ہے تو میں اتنا اور کہتا چلوں کہ
بچپن میں ان کے اقتدار میں عصر و مغرب کی نماز پڑھنے کی سعادت حاصل
ہو چکی ہے۔ بغرض علاج جسمانی اپنے ماموں سید نیاز جیلانی (گھوٹکی سندھ)
کے ساتھ نشتر ہسپتال میں داخل تھا، ماموں نے علاج روحانی بھی ضروری
سمجھا ہوگا جبھی شاہ جی کے یہاں پہنچے مسجد سے اٹھ کر جب دولت کدے
کے دروازے پر آئے تو ماموں نے دو روپے نذر کیے جو تھوڑی سی
ردوکد کے بعد قبول کر لیے گئے۔ کچھ ظریفانہ گفتگو بھی رہی جس کا نقش
میرے ذہن میں تازہ نہ رہ سکا۔

انگریزوں کے بعد اگر کسی کے خلاف محاذ قائم رہا تو وہ مرزا غلام احمد

کی جماعت تھی جسے احمدیت قادیانیت اور مرزائیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور احراری اسے خارج از اسلام تصور کرتے ہیں بعض حلقے ایسے بھی ہیں جو اس جماعت کو سمجھتے تو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہیں مگر گمراہ ترین فرقہ۔ مرزائیت قاضی صاحب کا "محبوب و مرغوب" موضوع تھا، گھنٹوں رد مرزائیت پر بولتے اک ذرا چھیڑنے کی ضرورت تھی۔

پھر دیکھیئے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ وصہبا مرے آگے

عام گفتگو میں بھی تقریر کا مزہ ہوتا تھا۔ میرے خیال میں مرزائیت پر جتنا مواد ان کے پاس تھا قادیانیوں کے پاس بھی نہ رہا ہوگا۔ چھوٹے سے چھوٹا کتابچہ اور اشتہار اور بڑی سے بڑی کتاب اور اس کے سینکڑوں حوالے ازبر۔ ایک بار میں نے ان سے کہا مرزائیت پر جتنی تحقیق آپ نے کی ہے کسی اور نے شاید نہ کی ہو اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ فرقہ گمراہ اور مرتد ہے تو اس کی تردید میں ٹھوس کام کیجیئے۔ تقریریں لوگ سنتے ذوق شوق سے ہیں، وقتی جوش بھی پیدا ہوتا ہے ایمانوں میں تازگی کی لہر بھی دوڑ جاتی ہے، ہو حق ہوا نعرے بلند ہوئے اور فضا میں تحلیل ہو گئے۔ رہنمائی کے لئے جہاں تقریریں ضروری ہیں وہاں مدلل اور مستقل تحریری مواد کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے اور میں اسے آپ کی تقریروں پر بھاری سمجھوں گا اگر آپ ایک کتاب مرتب کر دیں۔ فرماتے تم آؤ تو میں مرتب کرا سکتا ہوں خود لکھنا میرے بس کی بات نہیں میں نے کہا اگر میں یہ کہنے کی گستاخی کروں کہ آپ

باتیں بنانا جانتے ہیں۔ سطحی باتوں کو ٹھوس اور پائدار تحریر پر مقدم رکھ کر کچھ انصاف تو نہیں کر رہے ہیں۔ اس پر الٹا مجھے آڑے ہاتھوں لیتے اور رمضان میں شجاع آباد چلے آنے کی دعوت دیتے۔ عموماً تبلیغی دوروں پر رہتے تھے آج یہاں کل وہاں۔ رمضان گھر میں مناتے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کی مزاح نوازی کو دیکھکر چاہتے تھے کہ ان کو ٹوکیں۔ میں نے کہا تو پھر دیر کیا ہے بسم اللہ آپ بولئے میں لکھتا ہوں۔ میرا اصرار بڑھا تو بولے عبدالماجد کو لکھنا ہے ذرا سوچ سمجھکر لکھنا ہوگا۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں شاہ جی اور قاضی صاحب تقریر کے دھنی اور قلم کے چور تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "میں غازی گفتار تو تھا قلم کا دھنی کبھی بھی نہیں۔" تاہم "فتوحات بخاری کا ایک ورق" میں ان کی نثر نگاری بے جان نظر نہیں آتی۔ یہ ایک مختصر مضمون ہے خاصا جاندار۔ خطوں میں بے اختیار ان کے قلم سے ایسے جملے ٹپک پڑتے تھے جنہیں شعری نثر پارے کہنا چاہیئے۔ میں یہاں صرف ایک خط سے اقتباس پیش کرتا ہوں آگے چل کر جب آپ مکاتیب کا مطالعہ کریں گے تو تقریباً ہر خط میں ایک آدھ پھڑکتا ہوا جملہ مل ہی جائے گا۔ لکھتے ہیں

> کوئٹہ پسنجر چلتی گاڑی پر سوار ہونے لگا۔ دستہ چھوٹ گیا نیچے گرا زخمی ہوا۔ دل وجگر کے زخم ہی کیا کم تھے کہ جسم بھی مجروح، طرفہ یہ کہ پیٹھ پر پھنسیوں کی یلغار ہوئی خیر اب سوائے جراحتِ دل کے اور کوئی زخم بظاہر نہیں۔"

خطوں کے علاوہ ایک نثری شاہکار میری بیاض میں دستِ خاص سے محفوظ ہے جسے یہاں نقل کرتا ہوں۔

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

کیا ربّ الناس کی ربوبیت کافۃ للناس کی نبوت ہدی للناس کی ہدایت بیت اللہ کی مرکزیت کے ساتھ کنتم خیر امۃٍ کے اعزاز کے بعد بھی کسی آٹوگراف کی ضرورت باقی ہے اگر مقصد طلب ہدایت ہے تو اس کی تکمیل ہو چکی۔ اتمام نعمت کے بعد کسی فکرِ خام سے طلبِ راہنمائی کفرانِ نعمت ہے۔ منعمِ حقیقی نے ہادی وہ عطا فرمایا ہے جو بہر حال بہر پہلو "محمدؐ" ہیں، یہ نام ہی تمام سوالات کا اکمل ترین جواب ہے۔ اس نام کا نام لیوا کونین کے کسی گوشہ میں بھی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی کسی قسم کی رہبری کا محتاج نہیں۔ خیر جہاں بھی ہے وہ میراثِ مومن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی ہادیٔ برحق کی اطاعت میں زندگی گزارنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور دنیا و آخرت میں اُسی آقا کی غلامی اور ان کے غلاموں کی محبّت سے نوازے۔ آمین۔

دعا گو احسان احمد عفی عنہ شجاع آبادی ۴ شعبان اعظم ۱۳۸۵ھ

ان کے یہاں اظہار محبت لفظ لفظ سے ہوتا تھا۔ لفافہ پر پتہ لکھتے تو نام سے پہلے طرح طرح کے خطاب و القاب لکھ کر اپنی بزرگانہ شفقت

کا اظہار فرماتے مثلاً

انیسِ بیکساں

راحتِ قلب و نظر

انیس ملت

مخدوم ملت

برادر بجان برابر

انیسِ قلبِ حزیں

پیارے پیرجی

راحت رساں

انیس احساں وغیرہ

خوش نویس نہیں تو بدخط بھی نہیں تھے خاصا منشیانہ خط تھا۔ کارڈ لفافوں کا استعمال یکساں کرتے۔

آجکل معاشرہ میں جو برائیاں جگہ پاگئی ہیں ان کی نشاندہی بڑے کرب اور خندہ زہرناک سے کرتے۔ کراچی میں کہیں سر راہ کپڑا خرید رہے تھے ایک شناسا مل گئے بولے ارے آپ یہاں کپڑا خریدتے پھر رہے ہیں۔ فرمایا افسوس میری بیوی کا کوئی "بوائے فرینڈ" نہیں ہے جو کہ سے ضروریات زندگی لاکر دیتا ہے۔

انگریزی زدہ لوگوں کو گھیر لیتے اور طرح طرح سے یورپ کا ملمع اتارنے کی کوشش کرتے۔ کراچی سے سیکنڈ کلاس میں ایک "اپ ٹو ڈیٹ" نوجوان بھی ہم سفر تھا، باتوں باتوں میں گویا ہوا

"مولوی صاحب پردے کے بارے میں کیا خیال ہے
آپ کا۔ کیا یہ خواتین پر عدم اعتماد کی دلیل نہیں؟"

قاضی صاحب نے اسے تو کوئی جواب نہیں دیا، ضروریاتِ سفر کی ٹوکری میں سے ایک سنہری روپہلی نیبو نکال کر دیکھنے لگے، اور نوجوان سے پوچھا۔ کہیئے اسے دیکھ کر طبیعت للچائی تو نہیں۔ منہ میں پانی تو نہیں بھر آیا۔ اُس نے جواب اثبات میں دیا۔ قاضی صاحب نے کہا،

"اسی لئے ہم بدنیتوں سے عورتوں کو بچاتے ہیں عورت
شمع محفل نہیں چراغِ خانہ ہی اچھی لگتی ہے"۔

گاڑی میں بیٹھ چکے تھے مجھ سے رہا نہ گیا عرض کیا آپ پورے برِ کوچک میں تقریریں کرتے رہے ہیں صراط مستقیم پر لانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے ہیں لوگوں کو۔ اب پاکستان کا چپہ چپہ چھان مارا مگر چراغ تلے یہ کیسا اندھیرا ہے کہ "چکلہ" شجاع آباد میں بھی موجود ہے۔ کہنے لگے اب رہنے دو منہ نہ کھلواؤ شجاع آباد ہی کیا پورا ملک چکلہ بنا ہوا ہے۔

میں نے عرض گزرانی، آپ نے تو دنیا دیکھی ہے برصغیر پاک و ہند کی تقریباً سبھی مشہور شخصیتوں سے ذاتی تعارف رہا ہے تحریک آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے بلکہ آپ بجائے خود ایک تاریخ ہیں اپنے تاثرات قلمبند کر دیں تو کیا کہنے۔ کہنے لگے رمضان بھر گھر پہ رہتا ہوں آجاؤ تو بہت سی باتیں لکھوا دوں۔ میں نے کہا آنے کو تو آجاؤں مگر پانچ وقت

کی نماز اور روزہ میرے بس کی بات نہیں۔ مسکرا کر فرمایا ہمارے یہاں دوپہر کو بچوں کے لئے کھانا پکا کرتا ہے ایک معصوم کا اضافہ اور سہی۔ میں نے لکھا

مجھ کو پہنچا ہی جانو اپنے پاس
آج، کل، شام یا سحر پہنچا

کس محبت سے لکھتے ہیں۔ "میری تمناؤں کے گلشن میں بہار آ گئی خدا کرے یہ حسین وعدہ حسین فریب ثابت نہ ہو آیئے اور بصد ناز آیئے" مرحوم کی تمنا یہ بھی تھی کہ سوانح عمری بھی مرتب ہو جائے۔ جب میں نے حامی بھر لی تو ہر ایک سے کہتے پھرتے تھے انیس میری سوانح عمری مرتب کرے گا۔ میری بدتوفیقی ملاحظہ فرمائیے ارادے باندھ باندھ کر توڑتا رہا۔ وہ خط لکھ کر اکساتے مگر میں اپنی فطری کاہلی کا اسیر قدم باہر نہ نکال سکا اور تحریک آزادی، شخصی زندگی، ہمعصر مشاہیر کی تصویروں کے کئی رخ پس پردہ رہ گئے۔

خبر آئی کہ قاضی صاحب پر نصیب دشمناں متواتر دل کے دورے پڑ رہے ہیں اور وہ تقریباً نیم جاں ہو چکے ہیں۔ میں اور صالح بھائی مزاج پرسی کے لئے آمادہ سفر ہوئے۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ دوپہر کو ہم پہنچے جمعہ کا وقت قریب تھا اس لئے ہمیں کھانا تو مل گیا، درشن کے لئے شریک نماز ہونا ضروری تھا۔ خطاب فرما رہے تھے موضوع تھا "عید میلاد النبی پر لاہور میں جلسے اور جلوس بانداز تعزیہ"۔ لاؤڈ اسپیکر دور دور

ایوبی کی برکت سے ممنوع تھا بیچارے پوری قوت سے بول رہے تھے صابر بھائی نے ٹیپ ریکارڈ سامنے رکھ دیا۔ افسوس ہے کہ یہ یادگار تقریر کثرت استعمال اور بے احتیاطی کی وجہ سے کہیں کہیں سے مٹ چکی ہے اور آخری حصہ تو بیچ بیچ کی "کرامت" سے بالکل ہی صاف ہو چکا ہے، جو کچھ بچ رہا وہ پیش کیا جاتا ہے وھوہذا

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست

محمد چشم بر راہِ ثنا نیست

خدا مدح آفرینِ مصطفےٰ بس

محمد حامدِ حمدِ خدا بس

محمد از تو مے خواہم خدا را

خدایا از تو عشقِ مصطفےٰ را

اللھم صل علیٰ سیدنا مولیٰ نا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الف الف مرہ

• میرے بزرگو دوستو اور عزیزو! پچھلا جمعہ میں عرض کر رہا تھا۔۔۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ کو بھیجا ہے رحمت تمام عالموں کے لئے۔ دین کی اصطلاح میں عالم ہیں چار۔ عالم اجساد، عالم ارواح، عالم برزخ، عالم آخرت۔ حضور کریم عالم ارواح میں بھی رحمت، عالم برزخ میں بھی رحمت اور عالم آخرت میں بھی رحمت، لیکن قرآنِ کریم میں جہاں بھی حضور کا ذکر آیا وہاں انسانیت کو بھی اطاعت اور اتباع کا

حکم دیا گیا۔ آج ہم اتباع کی راہ تو چھوڑ چکے اب ہم اپنی خواہشات کا دین گھڑ رہے ہیں۔

میں پچھلا جمعہ پڑھا کے لاہور چلا گیا مجھے میو ہسپتال دل کے کچھ امراض جو ڈاکٹر ہیں ان سے مشورہ لینا تھا۔ لاہور جا کے پتہ چلا کہ اس دفعہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس میں ...... ماڈل بنائے گئے پھر باقاعدہ لوگوں کو وہاں سجدے کرائے گئے...... شیعوں کا اخبار ہے "اسد" لاہور سے نکلتا ہے اس نے لکھا ہے کہ کیوں جناب! شیعہ اگر حسینؓ کا تعزیہ نکالیں تو بُرے اور سُنّی اگر حضور کے روضہ کا ماڈل نکالیں تو ؟ اب ہماری محبت تماشا بن گئی ہے۔ باقاعدہ ڈھول باقاعدہ تالیاں باقاعدہ باجے، اور یہ حضور کی محبت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا، سرور دو عالم سید دو عالم رحمتِ دو عالم فخرِ دو عالم مِل کے کہہ دیا کرو صلی اللہ علیہ وسلم، حضور تشریف فرما تھے۔ اونٹوں کی قطار گزری۔ اونٹوں نے نورِ نبوت کو دیکھا تو حضورؐ کے سامنے سر جھکا دیا ...... اور جو تبرکات کا جلوس گزرا کرتا تھا تو ہندو اور مسلمان سب مل کے سرد قد کھڑے ہو جاتے تھے احترام کے لئے۔ تبرکات گزر جاتے تھے اور وہ قلعہ معلیٰ پہنچ جاتے تھے حضرت مولانا سید اسمٰعیل شہید، سارے کہہ دو رحمۃ اللہ علیہ

وہ امام الموحدین وہ حق والوں کا سردار، تبرکات کا جلوس گزرا حضرت شاہ اسماعیل بیٹھے رہے۔ تخت پوش پر بیٹھے رہے بازار میں۔ اٹھے نہیں احترام کے لئے۔ دہلی میں کہرام مچ گیا سارے شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ اجی شاہ اسماعیل شہید نے حضور کریم کے تبرکات کا احترام نہیں کیا اس کے لئے اٹھے نہیں ہیں...... یہ خبر قلعہ معلیٰ میں چلی گئی۔ یہ رپورٹ بادشاہ تک پہنچ گئی۔ بادشاہ نے طلب کر لیا کہ مولانا کو طلب کرو۔ مولانا طلب کئے گئے۔ مولانا پہنچے تو بادشاہ نے پوچھا کہ مولانا آج تبرکات کا جلوس نکلا اور آپ اس کے احترام کے لئے نہیں اٹھے؟ مولانا فرمانے لگے وہ تبرکات اصلی ہیں؟ بادشاہ کہنے لگا میرا خیال یہ ہے کہ......

کتاب ہے شامی، اس میں لکھا ہے کہ بھوسہ ڈال کے بھی قبر کو، کیوں، قبر مقام عبرت ہے مقام عبادت نہیں، قبر مقام آرائش اور مقام عبادت نہیں، قبر مقام عبرت ہے، قبر رکھو، قبروں کی زیارت کو جایا کرو، کیوں؟ ایسا حسین ایسا جمیل ایسا وجیہ ایسا شکیل ایسا عالم ایسا مفتی ایسا قاضی ایسا ولی ایسا بہادر یوں مٹی میں سویا ہوا ہے اور تجھے یہاں آنا ہے! قبر عبرت کی جگہ ہے عبادت کی جگہ نہیں، معترض تھے مولوی، اس نے کہا جی اچھا یہ ٹھیک ہے قبر بھی ہونی چاہئے تو حضور کا

روضہ کیوں ہے؟ اب یہ اعتراض وزنی تھا کہنے لگے کہ
اگر قبر کو کچا رکھنا چاہیئے اسلام کا حکم یہ ہے تو حضور کا روضہ
کیوں ہے؟ میں تمہیں اپنی کمزوری بتاؤں کہ یہاں میں بھی
گھبرایا کہ دیکھوں .... وہ تھے سید عطاء اللہ شاہ فرمانے
لگے حضور کا روضہ ہے؟ تو مولانا فضل حق سامنے کھڑے تھے
فرمانے لگے، ہے کیوں نہیں۔ میں تم سے نہیں پوچھتا۔ میں
سارے مجمع سے پوچھتا ہوں۔ تو بیس تیس ہزار کا مجمع۔
لوگوں نے کہا ہے۔ فرمانے لگے سچ بتاؤ حضور کا روضہ ہے
لوگوں نے کہا ہے۔ فرمانے لگے پھر مجھ سے پوچھتے ہو تو پھر
مکہ میں کالا رہے اور مدینہ میں سبز رہے (نعرہ تحسین)
ارے میرے خواجہ جیسا کائنات میں کوئی نہیں تھا اولین و
آخرین میں۔ تو حضور کے روضہ جیسا دوسرا روضہ نہ بناؤ۔
پھر وہی ایک رہنے دو کہیں شرک فی النبوۃ نہ ہو جائے۔
میرے نبی کی مثل کوئی نہیں ہے تو میرے نبی کے روضہ کی
مثل بھی نہ بناؤ، پھر وہی ایک ہی رہے۔ تو ہمیں ڈر یہ ہے
کہ اب محبت کرتے کرتے کرتے کرتے کہیں محبت
یہ رنگ نہ اختیار کرلے کہ اب شیعوں نے تو سیدنا حسین کا
تعزیہ بنایا تھا اب سنی خیر سے کہیں حضور کے روضہ کی نقل
بنا کر اس کا جلوس نہ شروع کریں، لاہور میں شروع ہو گیا!

میرے دوستو! میرے بزرگو! دعا کرو اللہ اطاعت
دین کی توفیق دے۔ اللہ اشاعت دین کی توفیق دے
اللہ حفاظت دین کی توفیق دے۔ میرے بزرگو

اگر آج علماء نے قوم کو نہ روکا تو پھر دروازہ کھل جائے گا کہ ہر جگہ میرے آقا کے روضہ کی مثل بن کے رکھی جائے گی اور اہل حق کا معمول تو، ایک بار کہہ کے خطبہ شروع کروں ہمارے اسلاف کا معمول تو یہ رہا کہ ساری قوم، اہا وہ مولانا محمد علی جوہر کا شعر ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

ساری کائنات ناراض ہو جائے لیکن کائنات کا خالق ناراض نہ ہو، اساڈی ملتانی زبان اِچ اک بولی[1] بڑی پیاری آہدے [ترجمہ:- ہماری ملتانی زبان میں اک بڑے پیارے بول میں کہتا ہے۔ (انیس)]

بھانویں رُٹھے ساری نگیں
او نہ رُٹھے جیندی میں

ساری دنیا روٹھ جائے تو روٹھ جائے دعا کرو کائنات کا خالق نہ روٹھ جائے، میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا مولانا محمد یعقوب صاحب کاندھلہ یو۔پی میں مولانا محمد یعقوب صاحب[1] مسلمانوں کا اور ہندؤں کا جھگڑا مسجد کا اور گردوارے کا جھگڑا زمین کا ٹکڑا۔ مسلمان کہتے تھے یہ مسجد کا ہے ہندو کہتے تھے یہ مندر کا۔ مقدمہ ڈپٹی کمشنر کے پاس۔

---

[1] چاہے ساری دنیا روٹھ جائے مگر وہ نہ روٹھے جس کی میں ہوں۔ (انیس)

ڈپٹی کمشنر انگریز اس نے ہندوؤں سے، مسلمانوں سے پوچھا
کوئی ہندو تمہارے حق میں گواہی دے گا۔ انہوں نے
کہا کوئی نہیں دیتا۔ ہندوؤں سے پوچھا کوئی مسلمان تمہارے
حق میں گواہی دے گا۔ کہنے لگے یہ تو ہم جانتے نہیں کہ ہمارے
حق میں دے گا یا نہ دے گا لیکن یہ جانتے ہیں کہ سچ کی گواہی
دے گا۔ کہنے لگا کون؟ کہا مولانا محمد یعقوب صاحب، ڈپٹی
کمشنر نے سررشتہ دار کو بھیجا کہ مولانا کو جاکے کہو کہ گواہی دیں زمین کے ٹکڑے کے متعلق ڈپٹی
کمشنر کا سررشتہ دار آیا۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے
فرمایا سررشتہ دار کو کہ جاکے ڈپٹی کمشنر سے کہو کہ میں نے
قسم کھائی ہے، ۵۷ کے بعد، میں نے قسم کھائی ہے کہ میں
کسی مردود فرنگی کی شکل نہیں دیکھوں گا میں اس کی کچہری
میں نہیں جانا چاہتا میں اپنے ۵۷ کے دشمن کی کچہری میں نہیں جانا چاہتا [ناظم]
[فی البدیہہ تقریروں میں بعض جملے حرکات وسکنات کی
مدد سے سامعین کے ذہن میں اتر جاتے ہیں اور ادھورے
رہ جاتے ہیں، میں نے ترتیب نہیں بدلی یا یوں کہہ لیجئے کہ
"اصلاح" نہیں دی۔ یہ نقل مطابق اصل ہے]

نماز ہو چکی تو مرحوم کو منبر پر قرون اولیٰ کے بزرگوں کی طرح بیٹھے ہوئے
دیکھا۔ شورش نے سچ کہا ہے ؎

تیرے ہم چہرہ تھے افراد قرونِ اولیٰ
میں انہیں تیرے خد و خال سے پہچان گیا

مستحقین میں ریزگاری تقسیم کر رہے تھے۔ اسی ریلے میں ہم بھی ان کے قریب
تو پہنچ گئے لیکن تبرک حاصل کرنے کا ہوش نہ رہا۔ فرمایا تم لوگ اوپر چلو میں

آتا ہوں ۔ ہم تو لیٹتے ہی سو گئے ۔ وہ آکر پلٹ گئے ۔ عصر کی نماز پر گلے لگایا محبت سے پیش آئے ۔ بہت خوش تھے کہتے تھے ہمارا تمہارا رشتہ محبت اخلاص اور اسلام کا ہے اور یہ ایسی نعمت ہے جو بہت کم میسر آتی ہے بار بار کہتے تھے تم لوگوں کی آمد پر میں خوشی سے پھولا نہیں سمایا ۔ حاجتمندوں نے حلقہ باندھ لیا اور مرحوم حسب معمول اس کو اس کو چھیڑتے رہے ۔ ان کے ایک پڑوسی کو مولی سے چڑھ تھی اور یہ بار بار مولی کے فوائد اور اہمیت جتلا رہے تھے ۔ وہ لاحول پڑھتے جاتے کانپتا چلے تو تشریف آور کا مدعا پوچھا ۔ وہ کسی افسر کے نام سفارشی خط لکھوانا چاہتے تھے ۔ افسر مذکور کا نام سن کر فرمایا میں اس کے نام ہرگز خط لکھ دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا ۔ پچھلے دنوں میری موجودگی میں اپنے نوکر کو حرامزادہ کہہ کر گویا اس کی ماں پر تہمت لگائی اور میں ایسے لوگوں سے رسم ملاقات اٹھا دیا کرتا ہوں ۔

عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم و مغفور سے لوگ کہا کرتے تھے آپ کچھ تحریری سرمایہ بھی یادگار چھوڑ جائیے قلم سے اتنی دوری قلم اور کاغذ کی محرومی تصور کی جا رہی ہے ۔ تو مرحوم بے ساختہ فرماتے میں کیا لکھوں میری کتابیں تو قاضی اور شورش ہیں ۔ شورش اور قاضی نے کارزار زندگی میں یکساں قدم بڑھائے ہیں ۔ منزل دونوں کی ایک تھی ، آزادی ، اور وہ پا کر رہے ۔ یہاں مسافروں نے کمریں کھول دیں ستائے اور پھر خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے ۔ حریف نہ پا کر آپس ہی میں دست و گریباں ہو گئے ۔ قاضی صاحب شورش سے نہ جانے کیوں کبیدہ خاطر رہتے تھے اس کے ظاہر و باطن میں یکسانی کو مشکوک گردانتے ۔ حالانکہ شورش اپنے فکر و نظر کے اظہار میں

نیاز فتحپوری سے کچھ کم بے باک نہیں ہے۔ احرار ایک مدت تک نظریہ پاکستان کے مخالف رہے ہیں لیکن جب پاکستان ایک حقیقت بن گیا تو شاہ جی نے بھی ہندوستان پر پاکستان کو ترجیح دی اور امرتسر سے اٹھ کر ملتان آ بسے اور یہ بڑے ظرف کی بات ہے کہ آدمی اپنی رائے جمہور امت کے حق میں بدل دے اس کے باوجود شورش جیسی شدومد سے کٹر کانگریسی اور گاندھی بھگت لیڈر مولانا ابوالکلام آزاد کا دفاع کرتے ہیں اس سے ان کے مولانا مرحوم سے تعلق خاطر کا پتا ملتا ہے۔

مرحوم کھانے سے بھی پورا پورا انصاف کرتے تھے مرغ پلاؤ بڑی رغبت سے کھاتے تھے اچھی پکی ہوئی دال بھی مل جائے تو گھر میں مبارکباد کہلواتے۔ اچار کا اُن سے بڑھکر کوئی اور رسیا میں نے نہیں دیکھا۔ خدا لگتی کہتا ہوں پیالے بھر بھر کے بالکل سالن کی طرح کھاتے اور ڈکار تک نہ لیتے۔ ہاضمہ رہا ہوگا ورنہ ایسے کارنامے انجام دینا معمولی دل گردے کا کام نہیں۔ دسترخوان پر اچار نہ ہو تو باصرار طلب کرتے اور مزے لے لے کر کھاتے۔ حکیم اجمل خاں کے یہاں بٹیر کا اچار کھا چکے تھے حکیم صاحب کی حذاقت کے مداح تھے۔ ایک مریض آیا نسخہ تجویز کر دیا۔ جانے لگا تو ہدایت فرمائی گئی کہ آئندہ جُوا ہرگز نہ کھیلنا۔ حضرت مرض کا جوا سے کیا تعلق حکیم صاحب بولے یہ مزدور جوا کھیلتے وقت پیسے منہ میں رکھ لیتے ہیں، زنگ اترتا رہتا ہے پھیپھڑے متاثر ہو ہی جاتے ہیں۔ ذیابطیس کے مریض ہو کر بھی آم بڑے شوق سے کھاتے یہ پسند بھی تھی ان کی۔ دسترخوان پر کوشش یہی کرتے کہ زیادہ سے زیادہ ان کے حصہ میں آئیں چھینا جھپٹی سے بھی نہ چوکتے۔ آموں کے باغ بھی اپنی زرعی زمینوں میں لگا رکھے تھے۔

کھانا کھاتے کھاتے اچھی سی بوٹی نصف تو خود دانتوں سے الگ کر لیتے اور بقیہ نصف اس کے منہ میں دے دیتے۔ میں خلوص اور اپنائیت کی اس بے پناہ یلغار سے بچنے کے لئے ہمیشہ بچ کر بیٹھتا۔ یہی حال پانی کا تھا۔ جھوٹا پیتے پلاتے اور یہ سب کچھ اسلام میں انسانی مساوات کی تعلیمات کا مظہر تھا۔ شجاع آباد میں تین مہمانوں کو ایک ہی بڑے طشتری نما پیالہ میں سالن دیا گیا میں نے تو ایک بوٹی الگ سے روٹی پر نکال کے رکھ لی اور بھوکا اٹھ گیا یہ ازراہ کراہت تو نہیں کہہ سکتا بہر حال مجھے گھن ضرور آتی ہے۔ یوں تو متعدد دوسری غلاظتوں کو گوارا کر لیتا ہوں مگر کھانے پینے کے معاملہ میں نفاست طبع کو کیا کروں۔ ہمراہیوں کا بھی بڑا خیال کرتے ان کی پلیٹوں میں اپنے ہاتھ سے سالن وغیرہ ڈالتے نہیں انڈیل دیتے اور کھلا کھلا کر بے جان کر دیتے۔ میں نے کبھی مرحوم کے مصاحبین کو تقریریں سنتے ہوئے نہیں دیکھا ادھر کھایا اور اونگھا غفیل ہو گئے اس بے حسی کو محسوس کرتے اور برملا کہتے تم لوگ میرے ساتھ رہ کر استفادہ نہیں کرتے اگر انیس ہوتا تمہاری جگہ تو ایک دفتر سمیٹ لیتا۔ کسی کی تحقیر کے ہرگز روادار نہیں تھے البتہ طنز لطیف سے بچ نکلنا بڑا مشکل تھا۔ سنجر پور میں تقریر شروع کرنے سے پہلے ان کی نظر جلسہ گاہ کے ایک کونہ میں میز کرسی کاغذ قلم سنبھالے ایک تھانیدار صاحب پر پڑی۔ مسکرائے اور اشارہ کر کے فرمایا آپ کے ساتھ تو دو دو فرشتے ہیں مجھ پر تقرر چار کا ہے۔ خطاب فرما چکے تو معانقہ اس فرشتے سے بھی ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ قادیانیوں سے وہ کس درجہ اختلاف رکھتے تھے مگر انفرادی طور پر جا جا کر ان سے ملتے اور اس حسن سلوک کے اخلاقی اور اصلاحی

ردعمل کے منتظر رہتے۔

تقریباً پچاس برس کے سن میں بھی زناٹے کی کر لیتے تھے لیکن ماچھی گوٹھ کی تقریر کچھ ایسی رد کھی پھیکی رہی کہ ہم نے چھیڑ بنالی تھی۔ جب کبھی وہ عام گفتگو میں فراٹے بھرتے اور کسی طرح مات کھاتے (اور مات انہیں دے بھی کون سکتا تھا) نظر نہ آتے یا یوں کہہ لیجئے چوکڑیاں بھرتے تو ہم اس تقریر کی یاد تازہ کر کے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے وہ دراتہ پھلانگ کر ہمیں چت کر لیتے۔ اس کمی کو مرحوم نے سنجر پور کی تقریر میں پورا کیا، جی بھر کے ہمیں رگیدا۔ غالباً ان کو اس کا الہام ہوا تھا کہ میں کسی کا جھوٹا پانی نہیں پیتا جبھی وہ نام لے لے کر کوستے رہے۔ کچھ اس طرح مثال دی کہ "ہاں ہاں اس گلاس کو ہاتھ نہ لگانا یہ پیرانیں سائیں کا گلاس ہے سائیں کا گلاس نہ ہوا کتے کے کھانے کا برتن ہوا۔" اس پر ہم نے واپسی میں مزاحاً احتجاج کیا یہ اچھے مہمان ہیں آپ، جلسۂ عام میں یوں گالیاں دی جا رہی ہیں۔ قاضی صاحب کی سرزنش پر غالب یاد آئے یعنی گالیاں کھا کے بھی ہم بے مزہ نہ ہوئے یہ تقریر بلاشبہ معرکہ آرا تھی میں جس چوکڑی میں بیٹھا ہوا تھا سب کی حالت غیر تھی اور آنسوؤں کا طوفان جیسے اشک ہائے ندامت کیئے رکتا نظر نہ آتا تھا۔ گلا میرا بھی رندھ گیا حلق ہوا، جذبات امڈ آئے، ضبط کیا اور رسوائی میرا مقدر نہ بن سکی۔ کسی نے سچ کہا ہے

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

خاتمۂ کلام پر ہجوم دست بوسی کے لئے ٹوٹ پڑا میں صرف ہاتھ میں ہاتھ دے کر رہ گیا۔ رات کے دو بج رہے تھے اس وقت یہ رونقیں کیسے؟

کہنے لگے جلسہ گاہ سے رخصت ہوتے وقت دو نوجوان آگے بڑھ کر ملے اور کہا ہم نے آج اسلام کی روح کو پا لیا، یہ دو نفل اسی کا شکرانہ تھے۔

کہتے تھے صرف ایک آدمی سے میں نے شکست کھائی ہے اور وہ تھا سکندر حیات۔ اس کی وزارت کا دور دورہ تھا ایک ایسے جلسہ کی صدارت وزیر موصوف کرنے والے تھے جس میں مجھے بھی تقریر کرنا تھی سوچا موقعہ اچھا ہے جو کچھ کہنا ہے کہہ دو۔ میں نے اسے انگریزوں کا پٹھو اور غدار وطن قرار دیا اور یہ شعر پڑھا ؂

حرم کو بندۂ لات و منات کیا جانے
خدا کے گھر کو سکندر حیات کیا جانے

سکندر حیات سب کچھ خاموش سنتا اور مسکراتا رہا۔ صدارتی تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور کہا یہ بڑے فخر اور مسرت کی بات ہے کہ میرے دور حکومت میں ایسے حق گو بھی موجود ہیں جو میرے سامنے کلمۂ حق کہہ سکتے ہیں۔ یہ سن کر میں پانی پانی ہو گیا۔ مرحوم کی بے باکی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ سندھ کے ایک گورنر کی ٹائی پکڑ کر جھنجھوڑا اور کہا جب خدا کے دربار میں پہنچو گے تو کیا جواب دو گے۔

تقریر کرنے جہاں بھی پہنچتے "ناکہ بندی" تو لازم تھی، یہ بھی طرح طرح سے چکمہ دیتے، کبھی قلی کی وردی حاصل کر کے غچہ دے جاتے اور کبھی مختلف عمارتوں کی چھتیں طے کر کے سیڑھیاں لگا کر مسجد وزیر خاں۔ میں وقت مقررہ پر پہنچتے، دل کا بخار نکالتے اور ہاتھ زنجیر و سلاسل کے لئے آگے بڑھا دیتے۔ سنجیدہ مذہبی مسائل میں بھی طنز و مزاح کی چاشنی بقدر حسن بیان شامل رکھتے، اور ایک سماں باندھ دیتے۔ شنید ہے

کہ بہادر یار جنگ مرحوم کھڑے ہوتے تو اعلان کر دیتے کہ جس کا جی چاہے جا سکتا
ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں نے بولنا شروع کر دیا تو آپ کا مجمع میں سے
اٹھ کر جانا ناممکن ہو جائے گا۔ قاضی صاحب بھی کم نہیں تھے تقریر کے دوران میں
بادل گھر آئے۔ بادل برسا کیا یہ گرجا کئے۔ جل تھل ایک ہو گئے بیٹھے تو مجمع کو ساتھ لئے
پھرے۔ پچاس برس کی عمر میں بھی خوب ہٹے کٹے چست، چالاک" اور چاق و
چوبند۔ بے انتہا نمکین بھرے بھرے گال، یہ حالت تو یوں کہیئے دم آخر تھی،
ایام شباب میں کیا عالم رہا ہوگا۔ اس کے باوجود دلی کے ایک جلسہ عام
میں جوش تقریر میں آواز اونچی ہوتی چلی گئی اور اس قدر چیخ چیخ کر بولے کہ وقتی
طور پر پھیپھڑے متاثر ہو گئے۔ شدت جذبات سے خلوص نیت کا اندازہ
لگایا جا سکتا ہے۔ "خطیب پاکستان" خطاب جمہور امت کا دیا ہوا تھا۔
بعض حلقوں میں "بلبل پاکستان" مشہور تھے۔ میں نے اپنی بیاض میں یہی
ترکیب لکھ رکھی تھی قلم زد کرتے ہوئے فرمایا' اچھے خاصے آدمی کو چڑیا گھر
میں کیوں ڈال رہے ہو۔

سینکڑوں اشعار ازبر تھے اور تقریر کے دوران میں نگینے کی طرح
جڑتے چلے جاتے یہی حال عام گفتگو کا تھا۔ اکبر اور اقبال کے حافظ تھے
زبان و بیان کے اعتبار سے پست اور غیر معیاری اشعار سے بھی کام لیتے
ایک شعر سنا کر فرمانے لگے رقیب کی تعریف میں اس سے بہتر شعر میری
نظر سے نہیں گزرا۔ میں نے کہا یہ ہے کس کا؟ بولے ناسخ اور کون۔
افسوس مجھے وہ شعر یاد نہیں رہا۔ اس کا مفہوم یہ تھا کہ رقیب جب ہمارے
محبوب کا محبوب ہے تو ہمیں کیوں نہ محبوب ہو۔ اب جو ناسخ کا مجموعہ
کلام دیکھتا ہوں تو اس مضمون کا کوئی شعر نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے آتش کا ہو۔

متاخرین کے ساتھ ساتھ متقدمین کو بھی ترجیح دیتے۔ عدمؔ اور رفیقؔ کے علاوہ ان سے بھی کم تر غزل گویوں کے اشعار یاد تھے۔ پنجابی میں وارث شاہ اور نئے رنگ میں لکھنے والوں کی پوری پوری نظمیں سنایا کرتے۔ سرائیکی ان کی مادری زبان تھی اسے بھی مایوس نہ کرتے اور موقع بہ موقع خواجہ فرید کو گنگناتے۔

خاصے تیز بخار میں بھی خطابت کے جوہر دکھاتے رہتے تھے۔ رقت طاری ہوجاتی تھی یا پیشہ ورانہ تقاریر میں رقت طاری کر لیتے تھے۔ سنجر پور میں یہ دیکھ کر خوش ہوئے کہ جلسہ گاہ شہر کے مرکزی مقام پر ہے اور لاؤڈ اسپیکر کا انتظام بھی کیا گیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ خواتین نے بھی گھر بیٹھے اور پردے میں رہ کر اسلامی تعلیمات کی شرح و تفسیر سن لی۔ مرحوم کو صنف نازک کی اس محرومی کا بڑا احساس رہا کرتا تھا، حتی الامکان کوشش کرتے تھے کہ کسی قدر ازالہ ہوتا رہے۔

تنگ نظری، جہل، تعصب سے کوسوں دور تھے۔ وسیع المشرب وسیع النظر وسیع الملاقات وفا شعار ہنس مکھ مہمان نواز دلیر اور دبنگ آدمی تھے۔ اچھا کھاتے اچھا پہنتے، کشادہ دل، ہاتھ کھلا ہوا تھا اس لئے نذرانے بلا تردد قبول کر لیتے تھے، تقریروں کا معاوضہ بھی لے لیتے۔ معقول آمدنی شہری جائداد اور زرعی زمین سے بھی تھی۔ جس سے ملتے اسی کے ہو کر ملتے گلے لگاتے پیار کرتے احباب و اعزہ کی خیریت پوچھتے انجان لوگوں کو اس طرح چمٹا لیتے گویا مدتوں کی شناسائی ہے۔ امرأ اور غرباء میں کوئی امتیاز نہ برتتے چاہے آپ کیسے ہی میلے چکٹ کپڑے پہنے ہوئے ہوں، میل اور پسینے کی آمیزش سے سراپا عفونت کو بالکل

اُسی انداز سے اپنی باہنوں میں لے لیں گے جس طرح لباس حریر میں لپٹے ہوئے کسی معشوق چہاردہ سالہ کو لیا جا سکتا ہے۔ جلسہ گاہ سے رخصت ہو رہے ہیں سامنے سے مجمع کو چیرتا ہوا ایک چیچک زدہ کریہہ الصورت نابینا شخص نمودار ہوتا ہے اور قاضی صاحب کے دست بوس ہونیکی تمنا کا اظہار کرتا ہے۔ بے اختیار یہ کہہ کر گلے سے لگا لیتے ہیں اور پیشانی چومتے ہیں، میاں آپ نے تو انبیاء کو بھی ڈانٹ پلوا دی تھی۔ یہ اشارہ تھا قرآن حکیم کی ان آیات کی طرف عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی وَهُوَ یَخْشٰی فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ۔ ترجمہ: پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) چیں بہ جبیں ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا تھا اور آپ کو کیا خبر شاید نابینا (آپ کی تعلیم سے پورے طور پر) سنور جاتا یا (کسی خاص امر میں) نصیحت قبول کرتا سو اس کو نصیحت کرنا (کچھ نہ کچھ) فائدہ پہونچاتا تو جو شخص (دین سے) بے پرواہی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے اور جو شخص آپ کے پاس (دین کے شوق میں) دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ (خدا سے) ڈرتا ہے آپ اس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔ (آپ آئندہ) ہرگز ایسا نہ کیجئے قرآن (محض ایک) نصیحت کی چیز ہے۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی رح) عام معاشرتی زندگی میں صلح کل آدمی تھے۔ ان کی موجودگی میں لوگوں کی باہمی آویزش اور آمیزش

کی بات چل نکلتی تو مظلوم اور اپنے کئے پر پشیمان غیر متعلق اشخاص کی حمایت کرتے اور اپنی ذات کو واسطہ بنا کر دلوں کا غبار دھو ڈالنے میں کامیاب ہو جاتے تو بے پایاں روحانی مسرت اور شادمانی چہرے سے ٹپکی پڑتی تھی۔

مزاج میں خشونت بالکل نہیں تھی بے حد شگفتہ مزاج اور باغ و بہار آدمی تھے۔ کبھی کبھی عریاں نگار کے وزن پر عریاں گفتار ہو جاتے تھے مثلاً مس فاطمہ جناح کا ذکر آیا تو یونہی کسی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا جس نے ایک کا بوجھ نہیں اٹھایا وہ قوم کا بوجھ کیا اٹھائیں گی، میں نے کہا کیا آپ بھول گئے اگر فاطمہ جناح میدان میں نہ ہوتیں تو پورے ملک کو سانپ سونگھ چکا تھا اس بڑھاپے میں بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنا، بڑے ظرف اور زندگی کرنے کے حوصلہ کی نشاندہی ہوتی ہے انہوں نے پوری قوم میں زندگی کی لہر دوڑا دی اور ثابت کر دیا کہ کسی مقصد کے لئے زندگی بسر کی جائے تو وہ کبھی ختم نہیں ہوتی ہر دم جواں رہتی ہے ؂

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
ہے رواں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

میں یہاں یہ باتیں اس لئے نقل کر رہا ہوں کہ مرحوم کی یہی ایک "خامی" میرے علم میں ہے اور آپ جانتے ہیں تصویر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے روشن اور تاریک پہلو یکساں طور پر سامنے نہ آ جائیں۔ اپنی والی کوشش میری بھی یہی ہے کہ جو کچھ میں اپنے موضوع کے بارے میں جانتا ہوں لگی لپٹی رکھے بغیر نقل کرتا چلوں۔ یہ اُس عمر رسیدہ خاتون

ہی کی کرامت تھی کہ ایوب اپنی انتخابی تقریروں میں فراٹے بھرنے لگے تھے۔ ایک زمانہ میں مصاحبین لقمے دیا کرتے تب زبان چلتی۔ سابق صدر کی بدحواسی کا عالم بھی دیدنی تھا، پورے پاکستان میں مارے مارے پھرے اور چھوٹی بڑی بے شمار حماقتیں سرزد ہوئیں۔ جامی قاضی صاحب صدر ایوب کے بھی نہیں تھے، بلاوے پر مل چکے تھے۔ پاک بھارت جنگ کو جہاد سے تعبیر کرنے میں تامل تھا۔ تامل کیا تھا صاف صاف کہتے تھے میں اسے جہاد نہیں سمجھتا۔ پاک افواج کے کارہائے نمایاں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے تھے جس بے جگری سے ہمارے جوان لڑے ہیں اس کی مثالیں صرف اسلامی تاریخ سے ہی پیش کی جاسکتی ہیں اور یہ جذبہ عطیہ اسلام کا ہے۔ ہماری نوجوں کو اپنے سپاہیانہ جوہر دکھانے کا موقعہ ملا

کیا تھا۔ صدر ایوب کے میدان جنگ میں اگلے مورچوں تک باوجود روک تھام کے چلے جانے کی روایت بھی قاضی صاحب سے منسوب کرتا ہوں۔ صدر کا موقف یہ تھا کہ میدان کارزار میں مجھے دیکھکر جوانوں کے حوصلے بڑھیں گے۔ اُدھر جناب رئیس امروہوی، زیڈ اے بخاری سے روایت کرتے تھے کہ بخاری، سلہری اور دو ایک اور دوران جنگ میں صدر کے ساتھ نتھی کردیئے گئے تھے تاکہ بہلائے رکھیں۔ بخاری کہتے ہیں جب کسی مورچے سے پاکستانیوں کی پسپائی کی خبریں آتیں اور محاذ کی فلمیں دکھائی جاتیں تو کانپنے لگتے اور پیشاب خطا ہو جاتا۔ جسے میں مستند نہیں سمجھتا ایوب اقربا پروری حب جاہ اور ہوس زر کے روگی نہ ہوتے تو انتظامی

قابلیت میں وہ کسی سے کم نہ تھے۔ صدر ناصر ایوب سے کہیں بڑھ کر
جابر قاہر اور خطرناک آدمی ہیں مگر ان کی صرف اس ایک خوبی نے تمام
خرابیوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ جو کچھ سوچتے ہیں ملک و ملت اور
بزعم خود پورے عرب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کوئی مِل کوئی فیکٹری،
بنک بیلنس بنگلہ کچھ نہیں اور یہاں اپنی لوٹ کو کم تر سمجھتے ہوئے
چار دن پانچوں صاحبزادگان کو بھی ٹانک لیا۔ کوئی اسمبلی میں تو کوئی
نوعروس گندھارا کی پول میں دھانس دیا گیا۔

علامہ اقبال سے ملاقات کی تفصیل بھی قاضی صاحب نے مجھے
بتائی تھی میں نے اپنی قوت حافظہ پر ناحق اعتماد کر لیا اب سوائے اس
کے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ تین سوال کئے گئے تھے۔ پہلا سوال مرزائیت سے
متعلق تھا جس کی علامہ نے تنقیص اور تردید فرمائی۔ دوسرا سوال علامہ
کی شاعری اور تیسرا انہیں کہا جا سکتا کہ کیا تھا۔ اسی طرح پنڈت جواہر لال
نہرو سے معرکہ آرائیوں کی جزئیات بھی مجھے یاد نہیں رہیں۔

تصویریں وہ اتروا لیا کرتے تھے۔ کبھی چہرہ پر رومال ڈال لیتے
کبھی ہاتھوں سے چھپانے کی کوشش کرتے۔ میں نے ان کے یہاں سات
عکس لئے جن میں سے ایک ایسا ہے جس میں میں نے اپنے بچے (ابوالکلام)
کو گود میں بٹھا دیا اور وہ بھی پورے اہتمام سے تصویر کھنچوانے ہی کے
انداز میں بیٹھ گئے تھے۔ افسوس میری تصویر کسی نے مرحوم کے ساتھ کی
نہ اتار لی۔ مجھے بھی اس کا خیال نہیں آیا۔ اپنی چند تصویریں مجھ سے چھین کر
لے بھی گئے تھے۔ بیوی کو غیر مردوں کو دیکھنے کا حکم نہیں تھا تعمیل ارشاد
میں بیگم صاحب نے وہ سب تصویری مجموعہ جلا کر خاکستر کر دیا جہاں

جہاں مرحوم "غیر مرئیوں" کے جلوس میں کھڑے یا بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس
طرح بڑا نادر ذخیرہ ضائع ہو گیا۔ تصویر اور کیمرہ کی افادیت کے قائل
تھے۔ ایک وردی پوش فوجی کو مرزا بشیر الدین محمود کے قدم بوس ہوتے
وقت کی تصویر لے کر کمانڈر انچیف کو بھجوانے کی تمنا کیمرہ کی غیر موجودگی
کی وجہ سے تشنہ تکمیل رہ گئی۔ مرحوم اسے پاکستانی وردی کی تذلیل
تصور کرتے تھے۔ کیمرہ خریدنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے۔
بینائی آخر وقت تک ٹھیک رہی۔ میں نے پڑھتے لکھتے وقت چشمہ
لگائے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

پہلی بار (کم از کم میرے علم میں) محمد آباد تشریف لائے تو ارادے
بالیجی (ٹنڈو عاقل) جاکر مولانا حماد اللہ سے ملنے کے باندھ لئے ۔ دو
کواڑوں کی ڈبیا سی آوٹین کار میں جب ہم لد کے چلے ہیں تو سفر قاضی صاحب
کی خوش طبعی کہوں یا خوش فعلیوں سے خاصا خوش گوار ہو گیا تھا۔
صالح بھائی کو جو اس گاڑی کے ناخدا بھی تھے کسی بات پر دبوچ ہی
تو لیا اور پیشانی چومے بغیر نہ چھوڑا۔ گاڑی کا ڈگمگا کر رہ جانا بعید از قیاس
نہیں تھا، بلکہ درختوں سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گئی۔ گرمی چونکہ شدت کی پڑ رہی
تھی اس لئے اثنائے سفر میں اکل و شرب کی ضرورت پڑی تو رکنا پڑا۔
اب تلاش مسلم ہوٹل کی شروع ہوئی۔ سندھ میں کثرت سے ہندو بھی آباد
ہیں انتہا پسند مسلمان ان کے ہوٹلوں میں جاتے ہوئے ہچکچاتے کیا ہیں
سرے سے جاتے ہی نہیں۔ اکثریت کا طرز عمل اس کے برعکس ہے۔
مجھے یاد ہے بچپن میں ہم گاؤں سے شہر جاتے تو سب سے اچھی جلیبیاں
ہندو حلوائیوں کے یہاں ملا کرتی تھیں۔ تقسیم ملک کے بعد یہ عصبیت

نہ جانے کہاں سے در آئی جو اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے
ہم نے تو رسول اکرمؐ کو غیر مسلم وفود کی پذیرائی میں ایک موقعہ پر اپنی چادر
بچھا کر انسانی مساوات کو ہاتھ سے نہ جانے دینے اور اخلاقیات کی دنیا
میں غیر فانی اور انقلاب آفریں مثال قائم کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہاں
تو یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ تو "ہندو ہوٹل" ہے ہمارا "قافلہ" آگے
بڑھا اور تجسس مزید کے لئے ایک اور ہوٹل کے سامنے رکا۔ میں نے کہا
یہاں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھ نہیں رہے آپ حضرات کہ یہ
سرخ سرخ آنکھوں والے منیجر صاحب ابھی ابھی چرس کا دم لگا آئے
ہیں ظاہر ہے مسلمان ہیں۔ قاضی صاحب میری یاوہ گوئی پر حد درجہ محظوظ
ہوئے۔ یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ ہندو مسلم
کُید صالح بھائی کی "پاکیزگیٔ طبع" کا نتیجہ تھی۔ مرحوم قاضی صاحب نے
ہندو مسلم کی کوئی قید نہیں لگائی۔ تازہ دم ہو کر یہ کارواں پھر آگے بڑھا
اور رہائیگی جا کر دم لیا، مولانا حماد اللہ مسجد میں بیٹھے ہوئے کسی تفسیر کی تلاوت
فرما رہے تھے۔ قاضی صاحب کی دیکھا دیکھی میں نے بھی پیروں کو چھوا
اور یہ پانچ نفری "وفد" مؤدب بیٹھ گیا۔ پانچ دس منٹ بعد متوجہ
ہوتے اور جھنگلی سے ہر ایک کو مخاطب کیا۔ خیریت دریافت کرتے ہوئے
فرمایا آپ تو جیل میں تھے، اسے مرحوم نے مولانا کی الہامی کیفیت سے
منصور کیا اور بہت متاثر ہوئے۔ کہنے لگے دیکھا حضرت اخبار نہیں دیکھتے
مگر میری نظر بندی آپ کے علم میں تھی۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا پھوس
کے چھپر کے نیچے سستی کچی پکی روٹیوں اور غالباً بینگن کے سالن سے پیٹ کا
دوزخ بھرنا پڑا۔ ہم کھانا زہر مار (کم از کم میری حالت تو یہی تھی) کر ہی رہے تھے

کہ مولانا مسجد سے حویلی میں جاتے ہوئے ہمارے قریب سے گذرے اور ایک مرید کے نذر کئے گئے آموں میں سے تھوڑا سا لرا حصہ ہمیں بھی مل گیا۔ رخصتی معانقہ کرتے ہوئے قاضی صاحب رو رہے تھے۔ میں نے تو نہیں سنا صالح بھائی راوی ہیں کہ مولانا نے قاضی صاحب سے کہا" ہم آپ کو دیکھ لیتے ہیں۔ قاضی صاحب کی حالت اس لئے غیر ہوئی جاتی تھی کہ مولانا نجانے اس گنہگار کو کس حال میں دیکھتے ہوں گے"۔ چلئے تو اب قاضی صاحب مصر ہیں کہ حضرت نے سکھر جانے کے بارے میں کیوں پوچھا تھا۔ چلو سکھر چلیں، لیجئے ہم سکھر پہنچ گئے۔ یہاں اُن کے ایک مرید کے ہاں کھانا بھی ہوا اور لو سے جھٹکا را بھی۔ باصرار اپنے پہلو میں لٹایا۔ سکھر میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس سرکاری افسر سے (غالباً چیف سٹلمنٹ کمشنر) کسی کی سفارش کے لئے لاہور جانے والے تھے وہ تو کراچی میں براجمان ہے۔ اب تو مولانا حماد اللہ کی ولایت غیر مشکوک اور شبہات سے بالاتر ہو کر رہی۔ مولانا مرحوم طویل القامت اور سیم شحیم آدمی تھے فربہی صحت مندانہ نہیں مریضانہ تھی۔ نیک نفس اور اللہ اللہ کرنے والے بزرگ تھے سچ تو یہ ہے کہ مجھے وہاں جا کر طمانیت قلب نصیب نہیں ہوئی مرحوم کی روحانیت مجھ پر منعکس نہیں ہوئی میرے دل میں احترام ابھی تک ہے۔

قاضی صاحب تو خیبر میل سے کراچی سدھارے ادھر ہم یدھے

سینما ہال میں آگھسے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ مرحوم نے کبھی فلمیں بھی دیکھی ہونگی یا نہیں۔ فلمی گانے سن لیا کرتے تھے۔ صالح بھائی راوی ہیں کہ ریلوے پھاٹک بند ہونے کی وجہ سے ہم رکے تو حضرت اتر کر ٹہلنے اور ضروریات سے فراغت حاصل کرنے کے لئے نکل گئے۔ اسے غنیمت جان کر ریڈیو کھول دیا۔ آتے آتے کانوں میں بھنک پڑ چکی تھی بیٹھتے ہی ٹٹولتے ہوئے طنزیہ فرمایا بھئی کیوں بند کر دیا میں بھی سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہوں۔ شہ پاکر یاروں نے ریڈیو پھر چھیڑ دیا اور تمام راستے لتا وغیرہ کو سنتے رہے۔

"ابتدائے عشق" میں صالح بھائی سے پوچھنے لگے، انیس بی۔ اے تو ہوگا ہی۔ حالانکہ یہاں سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں۔ مرحوم بلا مبالغہ ہزاروں سے ملے بزرگوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے بڑے بوڑھوں اور اگلے وقتوں کے لوگوں کے صحبت یافتہ، بلند پایہ معاصرین سے شب و روز کی مجلس آرائیاں اور چشمک، عوامی ربط ضبط سبھی کچھ تھا مگر معاف کیجئے گا مردم شناسی چھو نک نہیں گئی تھی۔ میں نے ان کے حواریوں میں ریاکار اور خود غرض لوگوں کی ہما ہمی دیکھی جنہیں مرحوم اپنا ہوا خواہ اور مخلص سمجھتے رہے۔

قاضی صاحب دل کے ساتھ پاسبان عقل ضرور رکھتے تھے مگر ان کا شمار اہل خرد میں نہیں اصحاب جنوں میں ہوتا تھا۔ وہ ایک چوٹ کھایا ہوا دل رکھتے تھے۔ بے انتہا رقیق القلب، دل کے معاملات

کا ذکرانہیں آبدیدہ کر دیا کرتا تھا، گھگھی بندھ جاتی، آنسوؤں کے موتی
رو لنے لگتے۔ خدا اور رسول کے بعد اپنی بچیوں اور بیوی سے عشق
تھا، عشق مجازی کا مرجع بیوی بچے اور حقیقی کا خدا اور رسول۔ اولاد نرینہ
سے محروم رہے مگر وہ اپنی اس محرومی پر کبھی ماتم کناں نہیں دیکھے گئے۔
ہر بچہ کو اپنا بچہ سمجھکر پیار کرتے اور جی بہلاتے۔

مرحوم بسا اوقات اپنی محبت کا اظہار خاصے مبالغہ آمیز پیرایہ میں
بیان کیا کرتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں دخل کذب و ریا کو بہت
کم رہا ہے۔ وہ سراپا محبت تھے۔ وہ محبت ہی محبت تھے محبت کی قسم۔
۲۶ رمارچ ۱۹۶۵ء مرحوم صادق آباد تشریف لائے حسن اتفاق کہہ لیجئے
یا میری خوش بختی مدبھیڑ ٹیپ رکارڈر در دست برادرم صالح سے بھی
وہیں ہو گئی۔ میرے لئے پیغام ٹیپ ہوا، آہ اب کہاں لوگ اس
محبت کے!

پیغام قاضی صاحب

بآں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

پڑھی نماز جنازہ کی میری غیروں نے مرے تھے جن کے لئے وہ رہے وضو کرتے
اور پیارے

آرائش جمال میں وہ ہیں ابھی مگن
اور میں نے آسمان کے تارے بھی گن لئے

اس علاقہ میں آؤں اور اپنے انیسؔ سے محروم
رہوں یہ میری سب سے بڑی بدقسمتی نہیں تو
اور کیا ہے۔ بہرحال انیسؔ کی یاد میرے شامل
حال ہے۔ اللہ اسے دونوں جہانوں کی راحتیں
اور مسرتیں عطا فرمائے۔ پروگرام بن رہا ہے شاید
ایک ہفتہ کا پروگرام بن جائے تو حاضری دے کر
آنکھیں ٹھنڈی کر سکوں۔ السلام علیکم میرا ہدیۂ
سلام قبول فرمائیں۔

قاضی صاحب ہجوم عاشقاں میں لیٹے ہوئے کراہ رہے ہیں پیٹ
میں درد کم لیکن عشاق کو تڑپانے کے لئے زیادہ ظاہر کر رہے ہیں صالح
بھائی بھی موجود ہیں باتوں میں شکایتاً کہتے ہیں

صالح :۔ آپ ہمارے یہاں آتے نہیں

قاضی :۔ تم بلاتے نہیں تو آئیں کیسے

صالح :۔ یہ تو نہیں بارہا بلا چکا ہوں

قاضی :۔ لوگو دیکھو یہ جھوٹ بول رہا ہے اور صحیح سلامت
بیٹھا ہے۔ ایک زمانہ میں جھوٹ بولنے والے کو بخار
چڑھ جاتا تھا۔

صالح :۔ (یہ بھی کہاں چوکنے والے تھے) جی بخار تو نہیں اب
پیٹ میں درد ضرور ہو جاتا ہے۔

قاضی :۔ (جھینپ مٹانے کے لئے) اچھا اچھا اب زیادہ باتیں نہ بناؤ اور میری ٹانگیں دباؤ

یہ پہلا موقعہ تھا انہیں لاجواب ہوتے ہوئے دیکھا گیا ورنہ عام طور پر اگر کوئی خم ٹھونک کر سامنے آیا بھی تو چٹکیوں میں اڑا دیا گیا۔

پوری زندگی تحریک آزادی اور اسلامی قدروں کی ترویج اور ترقی میں گذری۔ خدا کی وحدانیت کے مبلغ اور رسولؐ کی رسالت و صداقت کی تعریف و توصیف کا بقول شبلیؔ ایک شعر بن کر رہ گئے تھے۔ وہ گفتار ہی کے نہیں کردار کے بھی غازی تھے۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ارکان اسلامی پر جان چھڑکتے تھے۔ مولانا مودودی کی "تفہیم القرآن" میں کہیں صحابہ پر (بقول قاضی صاحب) تنقید دیکھکر برافروختہ ہوئے اور رشد و مد سے اختلاف رائے کیا۔ ایک نوجوان پر اس لئے بگڑے کہ اس نے پندرہ پارے تو حفظ کر لئے اور بقیہ یہ کہکر چھوڑ دیئے کہ دل نہیں لگ رہا۔ کہتے تھے تمہیں خدا کے یہاں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ حیات مسیح اور معراج جسمانی کے قائل تھے۔ حج کر چکے تھے اپنی معذور ماں کو بھی ساتھ لے گئے اور حضورؐ کے روضے کے سامنے ماں کے قدموں کو چومتے وہ رو کیئں تو کہتے میری جنت تو انہی قدموں تلے ہے۔

شجاع آباد کے مشہور قاضی خاندان سے تھے، بادشاہی مسجد کے متولی اور پیش امام تھے۔ مسجد کی ہر سال توسیع ہوتی رہتی تھی اور اس کے

لئے احباب کی جیبوں کو بے تکلف ٹٹولتے رہتے تھے۔ تقاضے مجھ سے بھی ہوئے مگر یہاں چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں۔

مرحوم شوقِ جہاد اور پاداش جذبۂ آزادی میں بحیثیت مجموعی نو برس جیل میں رہے۔ آزادی کے بعد بھی "بلیک لسٹ" میں رہے کبھی یہاں تو کبھی وہاں داخلہ بند۔ سامعین میں سے کسی نے سوال کیا کہ خلفائے راشدین اور موجودہ دور کے حکمرانوں کا موازنہ کیجئے، فرمایا یہ حکومت ان کے مقابلہ میں لاشئے کا درجہ رکھتی ہے۔ اخباری نمائندے نے لاشیں باندھا اور قاضی صاحب دھر لئے گئے۔ مرزائیوں کے خلاف ۵۲، ۵۳، ۶۵ میں باقاعدہ تحریک چل نکلی تھی یہ بھی پیش پیش تھے جیل میں ڈال دیئے گئے۔ اسی دوران میں والد کا انتقال ہو گیا۔ حکام نے بہت چاہا درخواست پیش کردیں تو جنازہ وغیرہ میں شریک ہو سکتے ہیں مگر اس مردِ خدا نے منت کش درباں ہونا پسند نہیں کیا۔ سنایا کرتے تھے تقسیم ملک کے بعد جب میں پہلی دفعہ جیل جانے لگا تو والد آبدیدہ ہو گئے۔ میں حیران یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے یہ کوئی نئی بات تو نہیں تھی قید و بند کی آزمائشیں ازل سے مقدر ہو چکی تھیں۔ عرض کیا حضور یہ کیا۔ بولے بیٹا پہلے غیروں سے معاملہ تھا اب اپنوں کی نظرِ عنایت ہے۔ جیل میں فرش و فروش کہاں۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ایک پتھر کی چوکی سی بنا دی جاتی ہے جس پر ایک جوؤں سے بھرا ہوا دُھسہ بھی پڑا رہتا ہے۔

یہ قلندر کچھ ایسے گھوڑے بیچ کر سویا کہ کروٹ بدلتے ہی نیچے آ رہا۔ ہڈی کہنی سے اتر گئی یا ٹوٹ گئی اس لئے ایک بازو خمیدہ تھا۔ جیل میں بقول مرحوم زہر دیا گیا تھا جس کے اثرات گرمیوں میں عود کر آتے تھے۔ پھر تو وہ مستقل مریض رہنے لگے۔ مرض کی طوالت کو دیکھتے ہوئے شورش نے اپنی دعائیہ نظم میں لکھا تھا ؎

چھ مہینے سے سفیر اسلام کا بیمار ہے

لاہور اور ملتان کے اچھے سے اچھے ڈاکٹروں نے علاج کیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، یہاں تک کہ وہ مایوس ہو کر گھر آ گئے۔ جگر اور گردے متاثر تھے۔ میں اسی مرض الموت میں مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا۔ ایک کھری چارپائی پر کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی ڈالے لیٹے کیا پڑے ہوئے تھے۔ سوکھ کر قاق ہو چکے تھے۔ وہ تن و توش سب غائب۔ وہ شخص جو گھنٹوں ہر موضوع پر جوشیلی گفتگو کر سکتا تھا تقریر کرنے کھڑا ہو تو محض الفاظ کی جادوگری سے ہزاروں کی دنیا بدل دیتا تھا جب جی چاہے ہنسا دے، رلا دے اس کی بے بسی اور بے چارگی دیکھی نہیں جاتی تھی۔ سن لیتے تھے بولنے کا یارا نہ تھا۔ کان لے جا کر منہ سے لگا دو تب کچھ پلے پڑتا تھا ہوش و حواس قائم تھے۔ تنہا تھے میں نے پوچھا وہ آپ کے "رفیق خاص" کیسن کیا ہوئے؟ انگشت شہادت بلند کر کے رہ گئے یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں رہا۔ انہی دنوں اپنے قلم سے ایک عقیدت کیش

کو لکھا۔

شمع جب بجھنے لگی پروانے وفا بھول گئے
کون جاتا ہے کسی سوختہ ساماں کے قریب

اخبار جنگ کا جمعہ نمبر میرے ہاتھ میں تھا میں نے کہا پیر علی محمد راشدی نے ابوالکلام آزاد پر لکھا ہے۔ فرمایا سناؤ۔ اس کے بعد زیادہ دیر بیٹھنا اول تو مناسب بھی نہیں تھا دوسرے بیٹھا بھی نہ جاتا تھا، دل تھامے ہوئے چلا آیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد میرے لئے یہ سناؤنی حیرت زا ثابت نہیں ہوئی کہ لوگ کہتے ہیں شجاع عباد سے احسان گیا۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

۱۸ر فروری ۱۹۶۹ء
ساڑھے بارہ بجے دن

مکتوبات

(۱)

۱۷ر اپریل [۱۹۶۱ء]

محبت پناہا، ہدیہ سلام مسنون

میں اور تیرے ہجر مسلسل کی شکایت
تیرا ہی تو عالم ہے تری یاد کا عالم

آپ کا
احسان عفی عنہ

بارگاہ صلحا* میں ہدیۂ سلام، پیاروں کو پیار

*سید صالح محمد شاہ جیلانی مراد ہیں (انیس)

(۲)

یکم ذی الحجہ [مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۱۷ر مئی ۱۹۶۱ء]

مرکز مہر و وفا کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون

دیدۂ تر کا آسرا لیکر
ہم ترا انتظار کرتے ہیں

عنایت نامہ ملا، احسان نوازی کے لئے ہمہ سپاس ہوں میری

تمناؤں کے گلشن میں بہار آگئی۔ خدا کرے یہ حسین وعدہ حسین فریب ثابت نہ ہو۔ آئیے اور بصد ناز آئیے۔ ماہ جون کی آخری تاریخیں مناسب ہوں گی۔ پھر کسی سرد مقام پر جانے کا ارادہ ہے۔
بارگاہِ صالح میں ہدیۂ اخلاص۔ نورچشمی ابوالکلام غزالی و ذریت صالح کو ہدیۂ دعا و پیار۔ یادداران کو سلام مسنون
دعا گو احسان احمد عفی عنہ

(۳)

۸ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ ڈاک خانہ شجاع آباد ۲۱ جون ۱۹۶۱ء]
مرکز مہر و وفا۔ وعلیکم السلام، میں مسلسل تبلیغی سفر سے واپس آیا نامۂ انیس پڑھا حلفیہ عرض کرتا ہوں سر چکرا گیا، مجھے آپ کے معالجوں کی تشخیص سے اتفاق نہیں۔ خود تین برس اس چکر میں رہ چکا ہوں کسی یونانی معالج کی طرف رجوع فرمائیں قادر کریم کرم فرمائے گا۔
انیس میاں میں نے تمناؤں کے گلشن سجائے تھے کہ چند دن یوں گزاریں گے جیسے گلشن حیات میں بہار جاوداں کا دور دورہ ہو۔ خیر میں رحمت پروردگار سے مایوس نہیں۔ مجھے مفصل پروگرام سے آگاہی بخشیں۔ حضرت صالح علیہ السلام تو انتقامی جذبہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ خیریت خبر سے محروم رکھا گیا ہوں۔ کل دو داڑھیں نچلی نکلوائی ہیں شدید درد تھا بستر پہ بیٹھا یہ سطور لکھ رہا ہوں ارادہ یوں کر رہا ہوں کہ محمد آباد پہنچوں لیکن ــ

مرے شوق کی بلندی مری ہمتوں کی پستی

پیاروں کو پیار غزالی کو دیدہ بوسی، بارگاہ صلحا میں ہدیۂ اخلاص

دعاگو و دعاجو   احسان احمد عفی عنہ

[میں نے اپنے تپ دق میں مبتلا ہونے کی خبر دی تھی موقع ملتے ہی طبع پرسی کے لئے پہنچے اور مریض کی پیشانی بے تکلف چوم لی۔ اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ مرض قابو میں آگیا۔ صالح بھائی نے مسلسل چھ مہینے بلاناغہ انجکشن لگائے حالانکہ وہ سیاسی اور عوامی آدمی ہیں آج یہاں کل وہاں]

(۴)

شاہی جامع مسجد   [مہر ڈاک خانہ ملتان ۲۷جون ۱۹۶۱ء]

شجاع آباد

محبت پناہا! السلام علیکم۔ میں ۱۵جولائی کو آنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ یہ پروگرام موزوں ہو تو بارگاہ صالح میں عرض کریں کہ وہ مجھے رحیم یار خاں یا صادق آباد سے وصول فرمائیں اگر وہ مصروف ہوں تو پھر سہی، بہرحال جواب کا منتظر رہوں گا۔

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

(۵)

مودّت دستگاہ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ کل برادر مکرم سردار میر عالم خان صاحب

میرے ہم سفر تھے۔ ۱۵ر جولائی کو رحیم یار خان انشاء اللہ پہنچوں گا،
وہیں سارا پروگرام بن جائے گا۔ رحیم آباد سے ہوتا ہوا در دوست
پر حاضر ہوں گا۔ دیکھئے میں نے در یار ڈرتے ہوئے نہیں لکھا،
بے ادبی کا مرتکب نہ ہو جاؤں۔

آج لاہور جا رہا ہوں حضرت شاہ صاحب مدظلہ وہیں زیر علاج
ہیں۔ حضرت صالح کا تغافل سمجھ میں نہیں آیا۔ عدم نے کہا ہے

محبت کا دم آ گیا ہے لبوں پر
تغافل میں تھوڑی سی تخفیف کر دو

[بہر ڈاک خانہ ۴ر جولائی ۱۹۶۱ء] آپ کا اپنا احسان عفی عنہ

(۶)

۸ر جولائی [۱۹۶۱ء]

انیس جاں! وعلیکم السلام۔ پروگرام مرتب کر چکا تھا کہ آج علامہ
خالد محمود صاحب ایم۔اے معہ رفقاء لاہور سے کرشن نگر میں مدح
صحابہؓ کے عنوان سے تقریر کا حکم نامہ لے کے پہنچے۔ آئندہ ہفتہ کو لاہور
جاؤں گا۔ اتوار کو تقریر کر کے شام کو براہِ رحیم یار خان سفر کروں گا اور
انشاء اللہ اتوار شام بذریعہ خیبر میل صادق آباد پہنچوں گا۔ پیر کو پیر
رحیم آباد سے وصول فرمالیں تو مسافر نوازی ہو گی۔ سیدا مستحق رحم
ہوں۔ باقی عندالتلاقی۔
دعا جو احسان احمد عفی عنہ

(٧)

۲۵ جولائی [۱۹۶۱ء]

کراچی

دلنواز! السلام علیکم۔ مرخص شدہ شب کو رحیم آباد پہنچا۔ صبح میرے شاہ گیا، دوپہر بستان رحیم میں کھانا کھایا۔ بذریعہ کوئٹہ پسنجر سکھر پہنچا۔ رات کو تقریر کی بدھ کو ٹنڈو آدم۔ جمعرات ٹنڈو الھیار۔ جمعہ حیدر آباد۔ ہفتہ سے کراچی میں ہوں۔ روز برستا ہوں میں بھی اور بارش بھی ؂

دیکھئے معرکہ کس شخص کے اب ہاتھ رہے

پرسوں جمعرات کو بذریعہ شاہین ایکسپریس گھر جاؤں گا۔ انیس دل سے سنو محبت کے نقوش گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہیں سلامت با کرامت رکھے۔ آمین بزرگوں کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون۔ عزیزان کو دیدہ بوسی

تمہارا اپنا احسان

ابھی ابھی شجاع آباد سے آپ کا فرستادہ لفافہ ملا ہے۔ جواباً عرض ہے ؂

میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ نہ سکوں

حضرت صالح علیہ ۔۔۔ کی خدمت میں محبت بھرے سلام راہ میں چھوڑنے کا عظیم شکوہ۔

(۸)

۱۶ صفر المظفر [۱۳۸۱ھ مُہر ڈاک خانہ ملتان ۲۹ جولائی ۱۹۶۱ء]

انیس احسان! وعلیکم السلام۔ کراچی کا سفر تبلیغی نتائج کے لحاظ سے کامیاب رہا۔ گرمی اور بارش سخت تھی۔ عنایت نامے ملے ان نگارشات کو شاہکار قلم کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ افسوس کہ کچھ وقت مل بیٹھتے۔ میری دوسری نواسی پیدا ہوئی ہے۔ آج اس کا عقیقہ ہے اس لئے جلدی یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ مجھے سب سے زیادہ فکر ہے صحتِ انیس کی ہے۔ جلد جلد تنگڑے ہو جاؤ شجاع آباد آؤ مل بیٹھیں اور حسرتوں سے پنپ لیں۔

بزرگوں کو سلام، اندرون خانہ دعوات عزیزان کو پیار۔

دعا گو آپ کا اپنا

اح س ان

بارگاہ صلحاء میں محبت بھرے سلام

(۹)

۲۳ صفر المظفر ۱۳۸۱ھ [اگست ۱۹۶۱ء]

انیسِ دل! وعلیکم السلام۔ جناب نے نصف الملاقات کو 'بوجھ' بتایا۔ میں تو محبت نامہ کا بے چینی سے انتظار کرتا ہوں۔ ماہِ ربیع الاول کا پروگرام سارا بن چکا ہے۔ آپ اپنی صحت کے لئے کچھ بھی نہیں لکھتے۔ کب "اچھے" ہوتے ہو ورنہ مجھے ہی کوئی "عمل" کرنا پڑے گا

نزول مسیح حاضر ہے۔ احوال و احکام سے جلد جلد نوازتے رہیں۔
سید صالح کیوں چپ ہیں کہیں ناراض تو نہیں۔ عزیزی غزالی کو
دیدہ بوسی، اندرونِ خانہ دعوات

(۱۰)

۴ ربیع الاول [۱۳۸۱ھ مُہر ڈاک خانہ صادق آباد ۱۷ اگست ۱۹۶۱ء]
پیارے پیرجی! السلام علیکم۔ لیل و نہار میں جولانیاں نظر آئیں
یہ آپ کس موشگافی میں پھنس گئے۔ اس تصور کا "خالق" کون ہے
یہ تفصیل طلب داستان ہے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

حسب الحکم پانی پتی کو کتاب بھیج دی ہے لیکن ؎
نرود میخ آہنی در سنگ

جلد جلد تگڑے ہو جائیے۔ میں یہاں سیج سجائے ہوئے ہوں
بزرگان کو سلام۔ پیاروں کو پیار۔

دعاگو آپ کا اپنا احسان عفی عنہ

رات ہوائی جہاز میں مری کنونشن سے واپس آیا ہوں۔ بڑا ہی
نمائندہ اجتماع تھا کوائف پھر کبھی عرض کروں گا۔

[تصور پاکستان علامہ اقبال سے منسوب کیا گیا تھا حالانکہ وہ
چھٹے نمبر پہ آتے ہیں۔ پانی پتی سے مراد شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مشہور

ادیب ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیرو ہیں۔ کتاب "نزول مسیح"
از قاری محمد طیب بھجوائی گئی تھی]

(۱۱)

از چلتی گاڑی [نیر ڈاک خانہ میرپور ماتھیلو ۳۰ اگست ۱۹۶۱ء]
انیس من! وعلیکم السلام۔
جس آفتاب نے ایک ذرہ ناچیز کو چمک بخشی تھی وہ بظاہر نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ میری دنیائے محبت درہم برہم ہو گئی ہے۔
میرے شاہ جی صرف میرے شاہ جی نہ تھے سب کے شاہ جی صلحاء و علماء کے شاہ جی گنہگاروں اور خطا کاروں کے شاہ جی واصل بحق ہو گئے ہیں۔ انیس میری دنیا تاریک ہو گئی ہے۔ دعا فرمائیں میں بھی انہیں کے بتائے ہوئے سکھائے ہوئے راستے پر مروں۔ آمین!
آپ لکھتے ہیں مفصل لکھوں بلا مبالغہ ہزاروں خط "لاجواب" رہ جاتے ہیں یہ احسان کا احسان مانئیے کہ دو سطریں آپ کو لکھ دیتا ہوں۔ میں غازی گفتار تو تھا قلم کا دھنی کبھی بھی نہیں۔ پیر میں سخت درد ہے کچھ نہیں لکھ سکتا۔ سید صالح کو محبت بھرے سلام بچوں کو پیار اندرون خانہ دعوات۔ مولانا قادر بخش صاحب کا تعزیت نامہ مل گیا شکریہ عرض کر دیں۔ عزیزم محمد یسین سلمہ، میرا رفیق سفر سلام عرض کر رہا ہے۔ جوابی لفافہ کا شکریہ، یہ "عمل" آئندہ بھی جاری رہے بہر حال میری بے کسی کی شرم تو آپ ہی

نے رکھنی ہے۔

غم نصیب احسان احمد عفی عنہ

[پاکستان کے اکثر ادیب و شاعر جوابی لفافہ بھی پی جاتے ہیں رسید تو کیا دیں گے]

(۱۲)

۱۸ اکتوبر [۱۹۶۱ء]

مرکز مہر و وفا کو ہدیۂ سلام مسنون

خطوط ملے۔ حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مسلسل پروگرام نے رہی سہی کسر نکال دی۔ خط اس لئے بھی نہیں لکھنا چاہتا کہ ؎

پریشاں سنیں گے پریشان ہوں گے

منتظر تھا کہ شفایابی کی نوید سنوں گا خدا کرے آپ جلد شفایاب ہو کے نظر نوازی فرمائیں۔ یہ سید صالح محمد شاہ صاحب کو کیا ہوا۔ ایسے چپ سادھ لی ہے جیسے میں نے کوئی جرم محبت کیا ہو آپ انہیں متوجہ فرمائیں میں جمعہ ہفتہ آئندہ خانیوال رہوں گا بحیلہ بزرگان و عزیزان ہدیۂ سلام' اندرون خانہ ہدیۂ دعوات۔

دعاگو و دعا جو احسان احمد عفی عنہ

(۱۳)

یکم دسمبر [۱۹۶۱ء]

انیسِ خاطرِ احساں سلامت باشید، وعلیکم السلام

عنایت نامے ملے الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ آپ چلنے لگے۔ امید بندھی کہ شاید خانۂ احسان بھی نوازا جائے۔ جب بہت پریشان ہوتا ہوں تو پیاروں کو خط لکھنا چھوڑ دیتا ہوں۔ میری اہلیہ کے لئے اپریشن تجویز ہوا ہے تاحال فیصلہ نہیں کر پائے۔ جب تک کوئی ماہر عورت میسر نہ آئے میری بیوی مرنے پر راضی ہے غیر محرم سے اسے تشخیص بھی گوارا نہیں۔

میں نے شاہی جامع مسجد کے ملحق دو مکان مسجد کے لئے خریدے ہیں اور ایک گلی۔ تعمیر و توسیع کا کام جاری ہے۔ ہم قبروں میں ہونگے یہاں سجدے ہوتے ہوں گے۔ شاید کریم قبول فرما کے اگلی منزل آسان کر دے۔ میری دلی تمنا ہے اس مقدس کام میں حسب استطاعت آپ بھی حصہ لیں۔ امید ہے حضرت صالح میلے ٹھیلے سے فارغ ہو چکے ہونگے اس سلسلہ میں بہت کچھ کہنے اور لکھنے کو جی چاہتا ہے لیکن کہیں بارِ خاطر نہ ہو آج کل دو شعر متاثر کئے ہوئے ہیں آپ بھی سنیئے ؎

جو دیکھئے تو بہت سلسلے بہت رشتے
جو سوچئے تو جہاں میں ہر آدمی تنہا

نہ دوستی نہ طلب نہ دلبری نہ خلوص

کسی کا کوئی نہیں آج سب اکیلے ہیں

طلب سوانح کے سلسلہ میں عرض ہے

ہنسنے پہ نہ مجبور کرو لوگ ہنسیں گے

حالات کی تفسیر تو چہرے پہ لکھی ہے

والسلام، احباب کو سلام، عزیزاں کو دیدہ بوسی

دعا جو احسان احمد عفی عنہ

(۱۴)

۲۶ دسمبر [۱۹۶۱ء]

محبت نوازا۔ وعلیکم السلام

دلفریب کارڈ ملا۔ پیشتر ازیں لکھ چکا ہوں کہ میری اہلیہ کا ۱۵ دسمبر کو نشتر ہسپتال ملتان میں اپریشن ہوا پھر مسلسل دو اپریشن اور ہوئے مریضہ ۹ گھنٹے حالت مردنی میں رہی اب بفضلہ تعالےٰ روبصحت ہے، میں ہر روز صبح ملتان جاتا ہوں شام کو واپس بچوں میں لوٹتا ہوں۔ سچ جھوٹ بہلاتا ہوں پھر صبح وہی دور۔ تھک گیا ہوں رب العزت مریضہ کو شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ اپنی صحت کی نوید بخشئے۔ لکھئے کہ آپ کب آ رہے ہیں۔ حضرت صالح کیوں خفا ہیں؟ مفصل آگاہی بخشیں۔ بجملہ بزرگان و عزیزان ہدیۂ سلام مسنون، عزیزاں کو دیدہ بوسی اندرون خانہ ہدیہ دعوات و درخواست دعا۔

دعاگو و دعا جو احسان احمد عفی عنہٗ

(۱۵)

پیارے شاہ جی! سلامت باشید

وعلیکم السلام۔ دلا دیز خطوط پڑھتا رہا اور مسرور ہوتا رہا جواب نہ لکھنے کے لئے کئی عذرات ہیں مگر ڈرتا ہوں ؎

پریشان سنیں گے پریشان ہونگے

میرے دعاؤنکے کوٹ جاتے رہے اب تو زندگی بے لطف ہو گئی ہے صاحب بصیرت بھی گئے اور صاحب قلم بھی صاحب تدبیر بھی گئے کس کس کو یاد کروں میری تو اقلیم محبت اجڑ گئی ہے[1] انا للہ وانا الیہ راجعون، مولانا قادربخش صاحب کے تعزیت نامہ سے پتہ چلا کہ حضرت صالح معتکف ہیں رب العزت ان کے درجات بلند فرمائے اور ہم عاجزوں کا حشر و نشر بھی صلحاء کے ساتھ فرمائے آمین ثم آمین۔ اپنی صحت کے لئے آپ نے کچھ نہیں لکھا۔

میں تو صرف خطوط پڑھ لیتا ہوں لکھتا بہت کم ہوں میری اہلیہ رو بصحت ہے جملہ بزرگان و عزیزان کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون، عزیز محمد یٰسین محبت بھرے سلام سلام عرض کر رہا ہے

مشتاق آباد

دعاگو احسان احمد عفی عنہ — ۱۲ حجرہ الخانہ ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۶۲

---

[1] غالباً مولانا احمد علی لاہوریؒ کی رحلت لکھا گیا ہے (انیس)

⊙

محبت پناہا! وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

رمضان المبارک کے بعد مسلسل پروگرام ہے تمام پاکستان کے مدارس عربیہ کے سالانہ اجلاس شوال وذیقعدہ میں ہوتے ہیں اور مجھے بہ حیثیت خادم تقریباً ہر جلسہ میں شریک ہونا ہوتا ہے، دعا ہے انتخاب گزر جائے تو ان شاء اللہ حاضر ہوں گا۔ خدا کرے کہ مجھے رئیس صاحب سے جناب کے طفیل محبت ہو جائے تا حال اپنے آپ کو مائل نہیں پاتا۔ میرے ایک مرحوم دوست کی رباعی بہت پہلے کی کہی ہوئی ہے شاید پسند آجائے

ہے پاکستان کی بنیاد اسلام اور اسلام بنے گا اس کا دستور

جو چاہیں وہ کہیں منظور ما در وہی ہو گا جو ہے قادر کو منظور

بارگاہ صلحاء میں ہدیہ سلام اور دعا ہے۔ ....

مولانا قادر بخش صاحب کی خدمت میں سلام مسنون، جملہ بزرگان وعزیزان ہدیہ سلام اخلاص، عزیزان کو دیدہ بوسی، میرے رفیق سفر عزیز محمد لیسین سلمہٗ محبت بھرے سلام عرض کر رہا ہے وہ جناب کے خطوط کا البم بنا رہا ہے۔

دعاگو احسان احمد عفی عنہ مہر ڈاکخانہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۲ء

(۱۷)

اٹھاراں محرم دی تے [چہر ٹکاک خانہ شجاع آباد ۲۲ جون ۱۹۶۲ء]
ڈیہنہ جمعے دا

چر جگ جیویں ماہی، لکھ لکھ نیاز تے لکھ لکھ سلاماں

کاغذ قلم اتے مس وی ہم ڈیونڑ جواب دا ڈس وی ہم
تیڈے عشق دی کنیں رس وی ہم عاشق سڈائی ذرا جنب دا ہی

[آزاد ترجمہ:۔ اٹھارہ محرم بروز جمعہ۔ بڑی مدت تک جیو دوست،
لاکھوں نیاز اور لاکھوں سلام۔ کاغذ قلم اور سیاہی بھی ہے، جواب
دینا چاہیئے یہ بھی معلوم ہے، تمہارے عشق کی سن گن بھی پاچکا ہوں
عاشق کہلواتے ہو تو ذرا صبر و ضبط سے بھی کام لو]

(۱۸)

کوئٹہ
۲۹ اگست [۱۹۶۲ء]

یوں دل کے تڑپنے کا ہے کچھ تو سبب آخر
یا درد نے کروٹ لی یا تم نے اِدھر دیکھا

دعاگو
مسافر

(۱۹)

حیدرآباد
۱۶ ستمبر [۱۹۶۲ء]

دلنوازا! وعلیکم السلام، بیس دن سے تم معدہ اور ریح،

گردہ کے درد میں مبتلا ہوں۔ سفر اور بد پرہیزی جاری ہیں ۔ کل
کراچی جا رہا ہوں، فرمائیے آپ اپنا قرض کب ادا کر رہے ہیں ۔
لوہے اور سیمنٹ والوں کا تقاضہ آیا ہے ؟

وہ جناب کی بگڑی کیا ہوئی
میں بھی تو شاہکار دیکھوں

ایک شعر گنگنا رہا ہوں آپ بھی سماعت فرمائیں ۔

نگاہیں پھولوں پہ شبنم تو دیکھ لیتی ہیں
فضائیں روتی ہیں شب بھر کسی کو کیا معلوم

دوسرا شعر

شگوفے کھلنے کی موسیقیاں ہمیں معلوم
مگر وہ بات کہاں جو تمہاری بات میں ہے

احباب کو سلام عزیزان کو دیدہ بوسی

[مرحوم چاہتے تھے شاہی مسجد کی تعمیر و توسیع کے لئے مالی اعانت کی
سعادت میں بھی حاصل کر دوں افسوس یہی نہ ہوا]

۲۰

برادر محترم ۔ وعلیکم السلام

میرے نام ایک ہدایت نامہ حضرت صالح کی طرف سے
آیا تھا ۔ اس کا جواب لکھا ۔ جواب الجواب سے محروم رکھا گیا۔
نمائش کی تصاویر اخبارات میں دیکھتا رہا اور حیرت کرتا رہا ۔

حضور کی پھر ناسازیٔ طبع سے تشویش ہوئی۔ ویسے آپ ہی حضرات کے لئے کہا گیا ہے ؂

غنچہ چٹخے تو کہیں سر میں دھمک ہوتی ہے

یہاں مجموعہ امراض ہونے کے باوجود شب و روز کا سفر اور پروگرام جاری ہیں۔ وہ جناب کا موعودہ دسمبر گزر رہا ہے اطلاعاً عرض ہے نیز اطلاع بخشیں۔ ماہِ صیام کا قیام تو یلدہی ہوگا۔ محمد یٰسین سلام عرض کر رہا ہے۔ بزرگوں کی خدمت میں ہدیۂ سلام عزیزان کو دیدہ بوسی۔ احباب کو سلام مسنون۔ اگر قبول فرمائیں تو حضرت سید صالح محمد شاہ صاحب جیلانی کی خدمت میں محبت بھرے سلام

[۲۰ دسمبر ۱۹۶۲ء]

(۲۱)

بہاولپور [۱۹۶۳ء]
۹ جنوری

انیسِ حزیں سلمہ اللہ تعالیٰ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
راحت نامہ ملا۔ یقیناً رمضان المبارک ۲۸ جنوری کو ہے میرا چاند کب نظر آئے گا۔ قبل از رمضان یا میں روزے سے چاند دیکھوں گا۔ آئیے اور بلا شرط آئیے میری مصروفیتیں آکے دیکھئے شاید کچھ نہ لکھنے میں حق بجانب سمجھا جاؤں۔ دیکھو میاں مخادیم کی پابندیاں اور ہوتی ہیں اور خادموں کے شب و روز اور ہوتے ہیں۔ میرے

گھر میں کئی معصوم بچے ہیں ہم یہ سمجھیں گے کہ ایک معصوم اور سہی۔ آپ نے ہمیں "مخدوم الملک" زمرے میں کیوں شمار کرلیا میری تو اب یہ دعا ہے کہ ؎

اُن پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

عزیزان کو دیدہ بوسی۔ بارگاہِ صالح میں ہدیۂ نیاز۔ احباب کو سلام مسنون۔ اندرون خانہ دعوات بے غایات۔

چشم براہ احسان احمد عفی عنہ

اگلے ہفتہ کراچی جا رہا ہوں۔ وہاں کا ایڈریس 17 پوسٹ بکس کراچی ہے۔ آج رات یہاں تقریر کروں گا۔

[مخدوم الملک سید غلام میراں شاہ جیلانی (جمال الدین عالی) پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ ہیں۔ رمضان بھر روزے سے رہتے ہیں اس لئے آنے جانے والوں سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں کہ روزہ دار ہوگا چونکہ میں روزہ سے نہیں تھا دن بھر بھوکا رہنا پڑا۔ میرا اشارہ اسی واقعہ کی طرف تھا مبادا شجاع آباد میں بھی ایسی ہی صورت حالات سے دوچار ہونا پڑے۔ حفظ ماتقدم کے طور پر لکھ دیا تھا کہ نہ تو میں نماز کا پابند رہ سکوں گا نہ روزے کا۔ مخدوم الملک مشہور سیاسی لیڈر سید حسن محمود کے والد ہیں]

(۴۲)

دلنوازا۔ وعلیکم السلام۔ ابھی ابھی لاہور سے واپس آیا ہوں۔

کارڈ ملا۔ انتہائی تشویش ہوئی۔ کریم و رحیم آپ پر کرم فرمائے اور میری عزیزہ محترمہ پر بھی۔ بواپسی صحت کے کوائف سے آگاہی بخشیں۔ اگر تکلیف زیادہ ہو تو سفر نہ کریں۔ میں راضی میرا خدا راضی۔ زندگی رہی تو پھر سہی اور اگر صحت اجازت دے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ اندرون خانہ دعوات بے غایات و دعا۔ حضرت صالح دام فیوضہم کا ایک عتاب نامہ آیا تھا جسے "مجموعہ اضداد" کہوں تو بے جا نہ ہوگا کبھی فرصت میں جواب لکھوں گا۔ بہر حال ان کی خدمت میں مولانا قادر بخش صاحب و دیگر احباب کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون۔ عزیزہ کو دیدہ بوسی۔

[دہر ڈاک خانہ ۵ جنوری ۱۹۶۳ء]　　　　دعا گو احسان احمد عفی عنہ

[بیوی کو بلغم میں خون آنے لگا تھا اس لئے میں نے شجاع آباد کے ارادے ملتوی کر دیئے]

۲۳

۸ رمضان المبارک [دہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۳ فروری ۱۹۶۳ء]

برادر عزیز زید مجدہم، السلام علیکم، کسی شاعر نے انتہائے غلو سے کہا تھا ؎

آرائش جمال میں وہ ہیں ابھی مگن
اور ہم نے آسماں کے ستارے بھی گن لئے

لیکن یہاں بھی تقریباً کیفیت وہی ہے۔ خدا کرے محترمہ مکرمہ عزیزہ ام

صاحبہ دام عفتہا کو خیر ہو۔ کم از کم نتیجہ ڈاکٹری ہی سے مطلع فرمایا ہوتا۔ یہاں شب و روز خصوصی طور پر سحری اور افطاری کے وقت دعائیں ہوتی ہیں۔ مجھے صرف نوید مسرت کی طلب ہے۔ آپ معہ اعزاد احباب بعافیت ہوں آمین، بخدمت حضرت صالح مد نما کشتہٗ ہدیہ سلام مسنون۔ عزیزاں کو پیار۔

[سلہ صالح بھائی بحیثیت چیئرمین یونین کونسل سنجر پور ہر سال نمائش کا اہتمام کرتے ہیں یہ اسی رعایت سے ہے]

(۲۴)

انیسِ قلب حزیں۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ واقعی مجرم محبت ہوں اور بلا شرط معذرت خواہ۔ مجھے یقین ہے کہ یقیناً عفو درگذر سے نوازا جاؤں گا۔ میں سید تو ہوں نہیں کہ میری خطا بھی عطا سمجھی جائے اور نہ ہی مخدوم ہوں کہ قتل کرنے کا مزدست بھی وصول کر دں۔ ایک ادنیٰ دعا گو ہوں اور انشاء اللہ تازیست یہ وظیفہ ادا کرنے کا عزم رکھتا ہوں۔ میرا نواسہ شمس الدین بقضائے الٰہی فوت ہو گیا تھا یہ میری بڑی بیٹی کا پانچواں بیٹا تھا جو مسلسل فوت ہوئے ہیں۔ میرے دوست حاجی محمد شفیع صاحب این۔ اے مختار سکھر کی دکان جل گئی ڈیڑھ لاکھ روپے کا سامان راکھ ہو گیا ہے علامہ طالوت جو میرے قابل صد فخر عزیز تھے ایک سیکنڈ میں بقضائے الٰہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ میری کچھ جماعتی ذمہ داریاں بڑھا دی گئی

ہیں۔ محتاج دعا ہوں، آپ گھر سے میری عزیزہ مکرمہ کی صحت سے اطلاع بخشیں۔ میری دوسری بیٹی طاہرہ بتول لاہور بغرض علاج اپنے خاوند کے ہمراہ گئی ہوئی ہے۔ اس کے لئے بھی دعا فرمائیں۔ بگرامی خدمت حضرت صالح مدظلہٗ اور احباب کرام نام بنام ہدیہ سلام مسنون۔

[مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۳۱ مارچ ۱۹۶۳ء]

(۲۸)

قاضی احسان احمد امام شاہی جامع مسجد
شجاع آباد، پاکستان

صدر مجلس مرکزیہ
تحفظ ختم نبوت
پاکستان

لاہور ۸ اپریل [۱۹۶۳ء]

احسان نواز! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں مسلسل سفر میں ہوں۔ رات سکھر ایک بجے تک تقریر کی اور اب یہاں پہنچا ہوں۔ کل قصور جا رہا ہوں۔ آپ نے میری قابل صد احترام عزیزہ کی صحت کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ انتظار ہے، حضرت صالح کے کوائف سے بھی مطلع فرمائیں۔ انہیں اتنا عرض کر دیں ؎

تھوڑا سا فرق ہے دوست
یاد کرنے میں یاد آنے میں

بجملہ احباب نام بنام ہدیۂ سلام مسنون۔ عزیزان کو پیار
دعاگو احسان احمد عفی عنہ

ایک نعت کا شعر گنگنا رہا ہوں سنیئے۔
بصورتے کہ توئی کمتر آفریدہ خدا
ترا کشیدہ دوست از قلم کشیدہ خدا

(۲۶)

۷ ذی الحجہ [ہیڈ ڈاک خانہ شجاع آباد ۱۴ مئی ۱۹۹۳ء]
موجیم کہ آسودگیٔ ما عدم ماست
ما زندہ بہ آنیم کہ آرام نداریم
"کسی" کا مطبوعہ عید کارڈ ملا تھا ہدیۂ تشکر پیش فرمائیں۔
میں جناب کو وعدہ یاد دلا سکتا ہوں؟
اندرون خانہ دعوات، عزیزان کو دیدہ بوسی احباب کو سلام
مسنون، عزیز محمد یٰسین سلام عرض کر رہا ہے۔
محتاج دعا احسان احمد عفی عنہ
["کسی" سے مراد صالح بھائی ہیں۔ "وعدہ" دینی مالی اعانت]

(۲۷)

کیا حسرتِ وصال ہو کیا شکوۂ فراق
اتنے ہی دل کے پاس ہو آنکھوں سے جتنے دور

ہم شاد رہے ناشاد رہے
بس آپ ہمیشہ یاد رہے

پہلے دُکھ میں کرب تھا اب کرب دیتا ہے مزا
ابتدا کچھ اور تھی اور انتہا کچھ اور ہے

وفا کے سنگین مرحلوں میں کبھی جو تھکتے ہیں ہارتے ہیں
تو رازداری کے خاص لہجے میں نام تیرا پکارتے ہیں
والسلام آپ کا بھولا ہوا

....

محمد یٰسین محبت بھرے سلام عرض کر رہا ہے۔ عزیزان کو دیدہ بوسی
[مہر ڈاکخانہ شجاع آباد ۲ جولائی ۶۳ء]

(۲۸)

از مدرسہ تجوید القرآن بازار قلات

نمبر ______
مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۶۳ء

دل نوازا۔السلام علیکم۔

پچھلا جمعہ پڑھا کے شجاع آباد سے چلا، ان پہاڑوں میں بلایا گیا ہوں۔ اہم دینی اجتماعات ہو رہے ہیں۔ مسلسل تقریر رہا ہوں چہار شنبہ ۱۷ جولائی کو بذریعہ خیبر میل روانہ ہوں گا اور جمعرات صبح

صادق آباد سے نسیم صبح کے ذریعہ سلام عرض کرتا ہوا دیارِ انیس سے گزروں گا۔ قلات بڑا ہی پیارا علاقہ ہے۔ کاش آپ ہمراہ ہوتے یٰسین میاں ہدیۂ نیاز پیش کر رہا ہے۔ حضرت مخدوم سید صالح شاہ صاحب مدظلہٗ اگر قبول فرمائیں تو سلام اخلاص عرض کریں۔ بجملہ یاددادان سلام مسنون، عزیزان کو دیدہ بوسی۔

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

سینے کے داغ داغ سے آتی ہے بو تری
اپنی بہار میرے گلستاں میں آ کے دیکھ

جہاں بڑھ کر ہجوم گمرہی نے راستہ روکا
وہیں پایا ترے نقش قدم کو درمیاں میں نے

وہ بھی گناہ کہ جو ابھی تک نہیں کیا
پھر اہتمام رحمت پروردگار دیکھ

محبت کے الم دنیا کے غم عقبیٰ کی تشویشیں
ہجوم صد بلا ہے اور جان ناتواں میری

[۲۴۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء]

(۳۰)

محترم المقام مخدوم صاحب دام عنایاتکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ
مجھے سرکاری اجیر سمجھ لینے کے بعد اور مشائخ کانفرنس کی شرکت کی طلب میں بیقرار محسوس کر لینے کے بعد اب یہی ہے کہ جناب اپنا قیمتی وقت اور پیسے ضائع نہ فرمائیں۔ جب ایک بے ضمیر یا ضمیر فروش کی حقیقت واضح ہو جائے تو پھر کیوں نہ ہمیشہ کے لئے ایسے پر عمر بھر کے لئے تین حرف بھیج دیئے جائیں۔ والسلام

احسان احمد عفی عنہ [بھرڈاکخانہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۳ء]

[سابق صدر ایوب نے ایک "مشائخ کانفرنس" بلائی تھی اس پر تبصرہ قاضی صاحب نے کچھ اس انداز میں کیا جس سے شرکت کی آرزو کا اظہار ہوتا تھا]

(۳۱)

ایک ناکردہ گناہ کو مجرم گرداننے والے محبوب کے ملاحظہ کے لئے
بعد از ملاحظہ واپس بھیجیں۔

[بھرڈاکخانہ ۷ ار دسمبر ۱۹۶۳ء ضلع رحیم یار خاں میں داخلہ پر پابندی کے کاغذات اور ہفت روزہ شہاب لاہور کا تراشہ، جس میں قاضی صاحب پر لگائی گئی پابندیوں پر اداریہ لکھا گیا تھا یا کوئی اور بات تھی]

(۳۶)

از چلتی گاڑی

حُسن کی یہ نوازشیں عشق کے دل پہ نقش ہیں
بھول کے یاد کرلیا یاد کیا بُھلا دیا

[آمدہ ۱۴ جنوری ۱۹۶۴ء] ایک بھولا ہوا......

(۳۷)

"۱۱ رمضان المبارک [۱۳۸۴ھ ہرڈاک خانہ ۲۷ جنوری ۱۹۶۴ء]
راحت خاطر حزین۔ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

آج چند لمحے فرصت کے میں اس لئے دو باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے مجھے نوازا جس کے لئے تازیست ممنون ہوں۔ میں حتی الوسع کوشش کرتا ہوں کہ میرا عریضہ ہنگامی آلودگیوں سے آلودہ نہ ہو بقول مولانا آزاد مرحوم " اس طرح چھلنی سے چھان لیا جائے کہ کسی قسم کی آمیزشش نہ رہے" میری ایک تقریر راولپنڈی میں ہوئی اور اسے اخبارات نے اپنے اپنے عزائم کے مطابق شائع کیا، ایسے واروں کا ہم ہمیشہ شکار رہے ہیں۔ اس اقتدار کی دوڑ اور اکھاڑ پچھاڑ کے زمانہ میں کہاں کہاں صفائی دیں جبکہ اولیاء سے لیکر انبیاء تک زیر تنقید ہیں ؎

تا بمایاں چہ رسد

جناب نے بغیر تحقیق کے مجھے طنزاً ہی نہیں مجرم گردانتے ہوئے سزائیں بھی تجویز فرمادیں ؎

جن کا تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

شبلی کے پھول والا معاملہ ہوا۔ خطوط اور بھی آئے مگر سب سے زیادہ اذیت جناب کے عتاب نامہ سے ہوئی۔ میں واقعہ عرض کردوں، مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی سے میرے اچھے مراسم تھے تحریک تحفظ ختم نبوت میں انہوں نے نہ صرف اچھے کردار کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ایک ادنیٰ کارکن سے بھی ایسی روش کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ خیر مضٰے ما مضٰے۔ بحمداللہ تعالیٰ انہیں ایک عمدہ انشا پرداز تسلیم کرتا ہوں نہ ہی اسیر عقیدت ہوں اور نہ ہی مجرم عداوت، میرے لئے کبھی بھی وہ "دوائے دل" بیچنے والے نہیں تھے۔ اس جنگ اقتدار میں کسی کا حلیف یا حریف بننا ایمان کی تباہی یقین کرتا ہوں۔ الحمدللہ قادر کریم نے اتنی بصیرت بخشی ہے۔

آپ پیارے تھے، پیارے ہیں، پیارے رہیں گے۔ آپ دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں اور بس یہ تبصرہ و جائزہ کا دھندا اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دیجیے ؎ عمر گذری اسی دشت کی سیاحی میں

میں تو حاضر خدمت ہو نہیں سکتا کیونکہ "پابندی" ہے۔ اب آپ ہی کوئی راہ نکالیں۔ رمضان المبارک آیا تو پچھلے سال کے سارے مواعید سامنے آگئے مگر ایسے نصیب کہاں۔ عزیزم محمد لٰسین و محمد افضل محبّت بھرے سلام عرض کرتے ہیں۔ نازک مزاج شاہان تک میرا نیازمندانہ سلام عرض کردیں۔ عزیزان کو پیار والسلام۔ دعاگو احسان احمد عفی عنہ

(اخباری اطلاع یہ تھی کہ قاضی صاحب نے مولانا مودودی کو جلسۂ عام میں برا بھلا کہا میں نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا اور لکھا اگر آپ لوگ اسی طرح الجھتے رہے تو عوام کا خدا حافظ۔ ہم نے تو یہ دیکھا تھا کہ تحریک ختم نبوت کے

سلسلے میں مولانا مودودی کے لئے بھی دار ورسن کی آزمائش تجویز کردی گئی تھی اور وہ اپنے موقف پر ثابت قدم رہے۔ علمار کی سیاسیات سے علیحدگی کا ہی یہ نتیجہ رہا کہ بدترین ایوبی آمریت دس برس تک ہم پر مسلط رہی]

(۴۴)

۱۰ شوال المکرم [ہرڈاک خانہ ۲۴ فروری ۱۹۶۴ء]

راحت قلب و نظر سلامت باشید وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۸ رمضان المبارک کو اختلاج قلب کا شدید دورہ پڑا سارے گھر والے رو پیٹ بیٹھے۔ معالج کہتے ہیں نبضیں جواب دے گئی تھیں بہرحال اب بعافیت ہوں اور دست بدعا۔ مجھے آپ کی طرف سے راحت و مسرت کے جھونکے آتے ہیں اور میرا حال یہ ہے کہ ؎

خیال یار کبھی ذکر یار کرتے رہے
اسی متاع پہ ہم روزگار کرتے رہے

حضرت صالح دام الطافہم کا عنایت نامہ تہنیت عید بھی ملا تھا میری طرف سے دعائیں، شکریے سلام عرض کردیں۔ عزیزی کو دیدہ بوسی۔ بخدمت رانا صاحب ہدیہ سلام مسنون۔ محمد لٹیین ہدیہ سلام عرض کر رہا ہے والسلام۔

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

(۴۵)

راحت خاطر حزیں سلامت باشید وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پندنامہ انیس ملا پڑھا جناب غالب نے فرمایا ہے ؎

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

بہرحال یہ شکوہ غالب کو ہوگا مجھے نہیں۔ میں انشاءاللہ عمل کی کوشش کروں گا۔

حضرت صالح سلمہٗ بہت ہی نازک مزاج ہیں ورنہ لکھتا کہ کیا ۹۰۰ سو کا کورس پورا ہوگیا؟ دعاگو ہوں کہ رب العزت اپنے خاص فضل و کرم سے انہیں فیوضات حرمین الشریفین سے کماحقہ فیضیاب فرمائے۔ آمین۔ اگر آپ کے پاس عبدالماجد دریابادی کا سفرنامہ حجاز ہو تو وہ انہیں ضرور دیں۔ میں نے تمام سفرناموں میں اُسے بہتر پایا۔ اس سلسلہ میں پینتالیس ۴۵ سفرنامے دیکھے ہیں۔ وہ خود مجھ سے خفا ہیں میری زبان درازی کی وجہ سے، آپ معافی دلادیں ممنون ہوں گا۔ عید کارڈ انہوں نے بھیجا مجھے تکلیف ہوئی کہ یہ روشِ اغیار ہے راہ اخیار نہیں۔ چپ ہو رہا۔ خیر چھوڑیئے ان واعظانہ جھمیلوں کو صحت کے متعلق مفصل لکھیں۔ اب پھر مسلسل سفر شروع ہوگیا ہے۔ تمام مدارس عربیہ کے سالانہ اجلاس فروری، مارچ اپریل میں ہوتے ہیں دعاؤں کا محتاج ہوں۔ والسلام احسان احمد عفی عنہٗ

[۲۸ فروری ۱۹۶۴ء]

(۳۶)

۱۹ ذیقعدہ [بھرڈاک خانہ ۳ را پریل ۱۹۶۴ء]

دلنواز! السلام علیکم

میں مسلسل سفر میں رہا۔ ادھر یہ بڑا تھکا دینے والا ثابت ہوا۔ آج

کوہاٹ سے واپس آیا ہوں۔ ڈاک میں عنایت نامہ ملا۔ دست بدعا ہوں کہ قادر کریم میری اس مسرت کو سلامت رکھے۔ اپنی صحت کے متعلق آپ نے بہت دنوں سے کچھ نہیں لکھا یقیناً آپ بعافیت ہونگے فرمایئے حضرت صائم مدفیوضہم مجاز مقدس تشریف لے گئے ہیں؟ دعاؤں کے لئے ملتجی ہوں۔ عزیز محمد لٰسین ہدیۂ سلام عرض کر رہا ہے۔ دیکھیں کب پیاسی آنکھیں پیاس بجھائیں۔

عزیزان کو دیگر ہوسی احباب کو نام بنام ہدیۂ سلام مسنون۔ میری صحت دن بدن گر رہی ہے۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔ والسلام

دعاگو احسان احمد عفی عنہٗ

(۴۷)

ہم نے دیکھا ہے بہر رنگ بہر سمت تجھے
ایک پل آنکھ سے اوجھل ترا پیکر نہ ہوا

ایک لمحہ بھی نہیں ایسا محبت کی قسم
جب ترا سایہ مرے قد کے برابر نہ ہوا

دور رہ کر بھی مرے چاند رہا تو دل میں
کون سی رات یہ دل تجھ سے منور نہ ہوا

ہم نے یادوں کے حسیں قصر کئے ہیں تعمیر
کیا ہوا گر ترا کوچہ نہ ہوا، در نہ ہوا

[مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۱۳ مئی ۱۹۶۴ء]

(۳۸)

۱۱ محرم الحرام ۱۳۸۴ھ [مہر ڈاک خانہ ۲۴ مئی ۱۹۶۴ء]

برادر عزیز۔ السلام علیکم

کراچی سے تھکا ہارا گھر پہنچا۔ ڈاک دیکھی۔ آپ کے خط نے نہ صرف میرے دل و دماغ کو ماؤف کر دیا میری تمناؤں کی دنیا بھی درہم برہم ہو گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون، حلفیہ عرض کرتا ہوں اب آنکھوں کے سامنے صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ دل کہتا ہے آپ کی اطلاع غلط ہو، مگر دماغ کہتا ہے انیس اتنا غیر ذمہ دار و غیر محتاط نہیں، ضرور اس میں صداقت ہے آپ براہ راست اتنی اطلاع دیں کہ سردار میر عالم خاں صاحب حج سے واپس آ گئے ہیں یا نہ، پھر فوراً میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا جو قدم بھی اٹھانا ہوگا مل کے اٹھائیں گے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔

والسلام مغموم و مضطرب احسان احمد عفی عنہ

["مدرسہ میرے شاہ" تحصیل صادق آباد میں ایک مشہور مذہبی درسگاہ ہے۔ میرے بھانجے چھٹیوں میں گھر آئے تو اساتذہ کی اخلاقی پستی کے بڑے گھناؤنے واقعات سنائے۔ قاضی صاحب سے رجوع کئے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مرحوم نے میری اطلاعات کو بعد میں غیر مستند قرار دیا اور میں نے احتراماً سکوت اختیار کیا۔]

(۳۹)

لاہور ۲ر صفر المظفر ۱۳۸۴ھ [آمد ۱۹ ر جون ۱۹۶۴ء]

محبِ من، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ عنایت نامہ ملا۔
حضرت صالح زید مجدہم کی بعافیت واپسی سے مسرت ہوئی۔
رب العزت نے انہیں حرمین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمایا ہو۔
آمین۔ میری طرف سے ہدیۂ مبارک باد پیش فرمائیں۔ اُن کے
معاملات میں دخل دینا معصیت سمجھتا ہوں وہ پہلے ہی میری کسی
لسانی وارفتگی پر رنجیدہ ہیں۔

محمد یٰسین سلمہٗ بخار میں مبتلا ہے اور گھر ہے۔

یقیناً آنجہانی [جواہر لال نہرو] سے اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں اتفاق
و اشتراک کی منزلوں میں بے نقاب سیرت دیکھی لیکن ماحکے یہ معنے
نہیں کہ اب وہ قلمبند بھی کی جائیں۔ مضٰی ما مضٰی۔

شاید آخر جون یا جولائی میں پروگرام بناؤں لیکن دل گرفتگی
کے عالم میں آنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ رحیم آباد گیا تو ضرور اطلاع
دوں گا۔ عزیزان کو پیار۔ احباب کی خدمت میں خصوصاً مولانا
قادر بخش صاحب کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون۔ ان کا عنایت
نامہ بھی آیا تھا۔ والسلام۔

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

(۴۰)

برادر عزیز زید مجدہم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
الحمد للہ ثم الحمد للہ رباعی مکمل ہوئی۔ دست بدعا ہوں کہ

قادر کریم زچہ و بچہ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین ثم آمین۔ اور مولودہ مسعودہ خدیجۃ الکبریٰ رض عائشہ صدیقہ رض و فاطمۃ الزہرا رض کا مظہر بنے آمین۔

[میری بچی تمکنت جیلانی کی پیدائش۔ انیس]

نام کیا تجویز ہوا آگاہی بخشیں بجملہ اعزا بترتیب ملاد رج سلام و دعا و دعوات و مبارک۔ نور چشمی ابو الکلام سلمہ کو محبت بھرے سلام۔ گرمی کی شدت بڑھ گئی جناب کو معلوم ہے کہ مجھے جیل میں زہر دیا گیا تھا اگرمیوں میں اُس کے اثرات عود کر آتے ہیں ورنہ جلد حاضری کو جی چاہتا تھا۔ حضرت الحاج کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون۔ محمد یٰسین مبارک باد عرض کر رہا ہے اور ہدیۂ سلام مسنون پیش کرتا ہے۔

والسلام دعا گو احسان احمد عفی عنہ [مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۲۹ رجب ۱۹۶۴ء]

(۴۱)

انا اسٹیشن صادق آباد
۲۶ ستمبر [۱۹۶۴ء]

برادر مکرم السلام علیکم، رات برائے میرے شاہ آیا اور اب بذریعہ خیبر میل واپس لاہور جا رہا ہوں، والسلام۔

دعا گو احسان احمد عفی عنہ

(۴۲)

۴ شعبان المعظم [۱۳۸۴ھ مہر ڈاک خانہ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۴ء]
راحتِ قلب و نظر سلامت باشید۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

واقعی مجرم ہوں کہ صادق آباد سے محمد آباد حاضر نہ ہوا لیکن ہائے میری بے بسی اگر ایسا ارادتاً ہوا ہے تو تعزیراتِ محبت میں اس کی سزا گردن زدنی سے کم نہیں لیکن ارتکابِ جرم حالتِ اضطرار میں ہو تو اس قانون کے جج سنا ہے معاف کر دیتے ہیں۔ اور آج کل تو حرام بھی حلال ہو رہا ہے (یہ اشارہ یاد نہیں پڑتا کس طرف ہے یقیناً ایوبی ''اصلاحات'' میں سے کوئی چیز ہو گی۔ انیس) خیر چھوڑیے اس قصہ کو معاف فرما دیجئے اور پہلی فرصت میں حاضری کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ سخت اداس ہوں شاید اس دنیا سے سدھارنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ حضرت صالح سے بھی اجازت دلا دیں وہ میری ''زباں درازی'' سے رنجیدہ ہیں (یہ محض قاضی صاحب کی باتیں ہیں۔ انیس) ان کے در دولت پر معافی مانگنے کو جی چاہتا ہے۔ عزیزان کو پیار احباب کو سلام۔

پریشان احسان عفی عنہ

(۴۲)

۲۴ رمضان المبارک (مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۲۸ جنوری ۱۹۶۵ء)

احسان نواز! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ملزم ہی نہیں واقعی مجرم ہوں اور مستحق سزا۔ یقیناً عزم مصمم کے باوجود حاضری سے قاصر رہا موانع ہی ایسے در پیش آ گئے۔ انشاء اللہ حسب الحکم تلافی مافات کروں گا اگرچہ چند لمحوں کے لئے کیوں نہ ہو۔ جی تو یہ چاہتا تھا کہ صرف دو شعر لکھ بھیجوں ؎

بخش کر کاہشِ غم پُرسشِ غم تک پہنچے
کون اب اُن کے اس اندازِ کرم تک پہنچے

اب تو یہ عزم جنوں ہے کہ پئے نذرِ خلوص
گلستاں اپنی بہاریں لئے ہم تک پہنچے

کیونکہ میرے ساتھ بھی تو تقریباً کئی برسوں سے رمضان المبارک میں آمد کے وعدے ہوتے رہے ہیں۔ خیر میری کیا بساط کہ شکوۂ سادات؟ [میں نے شکایتاً لکھا تھا کہ آپ میرے شاہ آئے اور ہمیں خبر نہ ہوئی۔ انیس] نگار تو نہیں پہنچا میرے نگار کی نگارش ضرور نظر نواز ہوئی۔ انتہائی ادب سے گذارش ہے کہ مرنے والوں کو بھی [ہے] یاد کیا جائے تو بہتر ہے۔ مفصل زبانی عرض کروں گا ڈرتا ہوں کہ کوئی لفظ خاطرِ عالی پر گراں نہ گذرے ویسے تو میں حضور کے طرز نگارش کا مداح ہی نہیں شیدائی ہوں ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ ، یہ مصرعہ رسماً نہیں لکھا ، میری دلی تمنا ہے [مولوی عبدالحق دیدہ و شنیدہ کے عنوان سے میرا ایک مضمون نیاز صاحب مرحوم نے پسند کیا اور نگار میں شائع کردیا ، اس میں مولوی صاحب کی خشونت مزاج کے چند واقعات نقل ہو گئے تھے ، نگار سے یہ مضمون بغیر کسی حوالہ کے "چٹان" لاہور میں نقل ہوا ، وہیں سے قاضی صاحب نے پڑھا]
حضرت صالح کی خدمت میں ہدیۂ سلام عزیزاں کو سلام احباب کو ہدیۂ دعا

کو ہدیۂ دعا،

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

اگر میں ۵ شوال کو رحیم آباد آجاؤں تو آپ مجھے وہاں سے ۶ شوال کو وصول فرمالیں گے۔ میرا سردار محمد اجمل خاں صاحب کو ملنے کے لئے جی چاہتا ہے۔ اگر سردار میر عالم خاں صاحب سے ملاقات ہو تو پروگرام ایسا بنے کہ میں سارے فرضے ادا کرسکوں آپ کی قیادت کی ضرورت ہے۔ بگرامیخدمت حضرت مخدوم صاحب مدظلہ ہدیۂ سلام مسنون و درخواست دعا۔ میرے اس عریضہ کے جواب میں تو ذرا مفصل عنایت نامہ سے نوازیں یہ ایک درخواست ہے

والسلام۔

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

(۴۴)

۲۵ شوال المکرم [۱۳۸۴ ھ بہر ڈاک خانہ ۲ر مارچ ۱۹۶۵ء]
راحت رساں۔ وعلیکم السلام۔ بستی سے بحالت بخار واپس گھر پہنچا محمد آباد کی حاضری پر بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا مگر ؎

بزم کا رنگ دیکھکر لب نہ مگر ہلا سکے

ڈر رہا ہوں میری کسی بات پر پھر کہیں گرفت نہ ہو جائے۔ مجھے مفصل کوائف سے مطلع فرمائیں۔

وہی شب و روز کا سفر ہے اور وہی آپ کا احسان۔ جملہ احباب ہدیۂ سلام مسنون۔ عزیزاں کو پیار، دو شعر ورد زباں ہیں ؎

سہارا کیوں لیا تھا ناخدا کا خدا بھی کیوں سنے فریاد میری

فرشتے کیا مرتب کر سکیں گے

بہت بے ربط ہے روداد میری

دعا گو احسان احمد غفی عنہ

(۴۵)

دعویٰ بعدالت عالیہ سید انیس شاہ صاحب جیلانی مدفیوضہم

مدعا علیہ	مدعی
سید صالح محمد شاہ گیلانی سکنہ محمد آباد	احسان احمد سکنہ شجاع آباد

تحت ضابطۂ اخلاق ۱ ؎

بنائے دعویٰ یہ ہے کہ مدعا علیہ مندرجہ بالا نے من مدعی کو مندرجہ ذیل بنا پر سخت اذیت پہنچائی ہے۔

۱۔ میرے ساتھ یہ طے کیا کہ مورخہ ۲۳ جون کو ۵ بجے شام رحیم آباد سے وصول کیا جائے گا اور محمد آباد پہنچایا جائے گا اور رومیں شب باشی ہوگی۔ یہ عہد اسٹیشن گھوٹکی پر کیا گیا۔ انشاء اللہ مدعا علیہ انکار نہیں کرے گا۔

۲۔ میں وہاں منتظر رہا اور محمد آباد جانے کی تمام حسرتیں لئے بیٹھا رہا مدعا علیہ نے ٹیلیفون پر نامعلوم وجوہ کی بنا پر نہ آنے کی اطلاع کردی۔

۳۔ عالیجاہا' مدعا علیہ نے نہ صرف میرے ساتھ زیادتی کی ہے بلکہ میری بہت سی آرزوں کا خون بھی کیا۔ شنید میں آیا ہے کہ وہ الٹا تاوانِ طعام کا بھی ارادہ رکھتا ہے حالانکہ وہ محمد آباد گیا ہی نہیں۔

لہذا۔ استدعا ہے کہ میری دادرسی فرمائی جائے، ثبوت دعویٰ میرے ذمہ ہے

نوٹ۔ مدعا علیہ ملک کی معروف شخصیت ہے مجھے اس سے
خوف مال وجان ہے۔
لہذا۔ سماعت دعویٰ کسی غیر جانب دار علاقہ میں ہونی چاہیئے۔
مجھے جواب دعویٰ سے آگاہی بخشی جائے۔
احسان احمد عفی عنہ [بہر ڈاکخانہ شجاع آباد ۲۸ جون ۶۵]

(۴۶)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ
۱۳ جولائی ۱۹۶۵ء
بعدالت عالیہ عالیجناب مخدوم سید انیس شاہ صاحب گیلانی
عالیجاہا
استدعا یہ ہے کہ میں مسلسل سفر میں ہوں۔ مجھے ایک لفافہ جناب سید صالح محمد شاہ صاحب (جو میرے مدعا علیہ ہیں) کی طرف سے ملا ہے جس میں میرے دعویٰ کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے
مجھے اس پر یہ اعتراض ہے
(۱) کہ وہ عدالت عالیہ کی خدمت میں پیش نہیں کیا گیا میں اسے توہین عدالت متصور کرتا ہوں۔
(۲) نہ ہی وہ کسی اتھارٹی کا مصدقہ ہے۔
(۳) لہذا استدعا ہے کہ عدالت عالیہ اپنی رائے گرامی سے آگاہی بخشے۔

والسلام احسان احمد عفی عنہ

(۴۷)

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ [مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۱۶ اگست ۱۹۶۵ء]
راحت رسانا۔ السلام علیکم

لاہور میو اسپتال میں ۱۵ دن زیر تشخیص و تجویز رہا۔ جناب کو یاد ہوگا کہ مجھے اور حضرت لاہوریؒ [مولانا احمد علی] کو جیل میں زہر دیا گیا تھا اس کے اثرات گرمیوں میں عود کر آتے ہیں۔ اختلاج قلب نے نہایت ہی پریشان کن صورت اختیار کرلی ہے۔ ایک ایک دن میں دو دو دورے، ڈاکٹروں نے مزید ڈرایا یہ ہوجائیگا وہ ہوجائے گا حالانکہ بس جانتا ہوں ؂

پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

گھر میں میری اہلیہ کو بجلی کا شدید شارٹ لگا تقریباً قریب المرگ ہوگئی سخت چوٹیں آئیں۔ علاج جاری ہے سخت پریشان ہوں اور دعاؤں کا محتاج۔ مقدمہ بہر حال لڑوں گا مگر ذرا گردش دوراں سے نمٹ لوں۔ میرے محبوب بھائی اور مدعا علیہ کو محبت بھرے سلام و درخواست دعا؛ بجملہ بزرگان و عزیزان نام بنام سلام مسنون۔ عزیزان کو پیار اندرون خانہ ہدیۂ دعوات و درخواستِ دعا۔

محتاج دعا احسان احمد عفی عنہ،

(۴۸)

۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ [مہر ڈاک خانہ ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء]
میرے دلنوازا۔ وعلیکم السلام

مریضہ کو ملتان نشتر ہسپتال لے گئے ایکسرے کرائے گئے الحمدللہ ہڈیاں سلامت ہیں چوٹ سخت آئی ہے، علاج جاری ہے۔ خود نڈھال ہوں میرے سالے کے لڑکے قاضی ذکاء اللہ بعمر ۱۸ سال کو زہریلے سانپ نے ڈس لیا سارا جسم سیاہ ہو گیا وہ بھی ملتان نشتر ہسپتال میں داخل ہے۔

امتحاں ہیں ایک مشتِ خاک کے

بگرامیخدمت حضرت صالح مدفیوضہم ہدیہ سلام مسنون و درخواستِ دعا۔

محتاج دعا احسان احمد عفی عنہ،

(۴۹)

میرے محسن! وعلیکم السلام

(۱) اہلیہ ناحال چارپائی پر پڑی ہیں۔

(۲) خود نزلہ و زکام میں مبتلا ہوں۔

(۳) جمعرات گھر میں آگ لگی آگ چھت تک پہنچ گئی الحمدللہ کوئی نقصان نہیں ہوا۔

(۴) میری بڑی بیٹی سعیدہ بی بی کو اسقاط حمل کا سانحہ پیش آیا مرا ہوا لڑکا پیدا ہوا۔ الحمدللہ کہ اس کی جان بچ گئی۔

پروگرام ملتوی ہیں، دعاؤں کا محتاج ہوں بگرامی خدمت حضرت صالح مدظلہ و جملہ احباب ہدیہ سلام مسنون درخواست دعا

احسان احمد عفی عنہ

[آمد ۳۱ راگست ۱۹۶۵ء]

(۵۰)

برادر مکرم، وعلیکم السلام۔ طویل انتظار کے بعد کارڈ ملا۔ اور میرے مشفق و مکرم حضرت صالح علیہ السلام کے اشتہارات بھی ملے، پڑھے، دل سے دعائیں نکلیں، مرداں چنیں کنند۔ مستدعی ہوں کہ اُن تمام اشتہارات کے دو مکمل سیٹ تو مجھے بھجوائیں۔ اور ایک مکمل سیٹ مندرجہ ذیل پتہ پر بھجوا کے ممنون فرمائیں۔ پتہ مولانا قاری نورالحق صاحب ایم۔ اے ۴۲ نہرو اسٹریٹ کرشن نگر لاہور۔ میں نے تمام اشتہارات مسجد میں لگوا دیئے ہیں، لوگ دستی نقل کر کے لے جا رہے ہیں ہم سب کی طرف سے شاد صاحب کی خدمت اقدس میں اس مبارک سعی پر ہدیۂ تبریک پیش فرمائیں۔ اپنی صحت کے کوائف سے اطلاع بخشیں، بزرگان و عزیزان کی خدمت میں ہدیۂ سلام مسنون۔ میں راجستھان کی سرحد پر بھی گیا تھا اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو تمام اعداء کی فتنہ پردازیوں سے محفوظ و مامون رکھے۔

[مہر ڈاک خانہ شجاع آباد ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء]۔

[پاک بھارت جنگ کے دوران میں صالح بھائی نے کچھ پوسٹر مجاہدانہ جذبات کو ابھارنے کے لئے چھپوا دیئے تھے جنہیں ہر طبقے میں بنظر تحسین دیکھا گیا، اخبارات نے نمایاں طور پر نقل بھی کئے۔]

(۵۱)

• ۴ رمضان المبارک [مہر ڈاک خانہ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۵ء]

میرے انیس! وعلیکم السلام

لفافہ ملا، کھولنے سے پہلے ہی دل دھڑکا خدا کرے خیر ہو! میں تو چشم براہ تھا کمرے میں ضروریات کی کچھ کتابیں وغیرہ لگوا دیں مگر سے
اے بسا آرزو کہ ..... شدہ

دست بدعا ہوں رب العزت آپ کی تمام جسمانی اور روحانی پریشانیاں دور فرمائے آمین۔ حیات باقی تو انشاءاللہ پھر سہی۔ میرے محبوب اور لوگوں کے مخدوم سید صالح شاہ صاحب کی خدمت اقدس میں ہدیۂ دعا و سلام۔ عزیزان کو پیار! انہیں میری طرف سے عرض کرنا کہ ٹوکری مجھ سے چھن گئی ہے اور وہ تھی بھی بڑی مجھے چھوٹی ٹوکری بنوا دیں، جو کور ہونے کی بجائے گول ہو۔ برادرم مولوی قادربخش صاحب، رانہ صاحب و دیگر جملہ یادداران کو ہدیۂ سلام

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

[جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں مرحوم اپنی سوانح عمری کی ترتیب و تدوین کے لئے مجھے منتخب فرما چکے تھے، طے یہ ہوا تھا کہ وہ بولا کریں گے میں لکھا کروں گا، میری بد توفیقی ملاحظہ ہو نہ جا سکا وجہ کوئی خاص نہ تھی]

متفرقات

(۱)

۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ [اگست ۶۴ء]

مخدوم محترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جناب کا آج کارڈ موصول ہوا۔ حضرت گرامی قدر اباجان مدظلہ العالی ۸ جولائی سے ہری پور ہزارہ اور حسن ابدال کے تبلیغی دورے پر تشریف لے گئے دوران سفر ۱۰۵ بخار اور اختلاج قلب کے شدید دورے پڑے بمشکل گھر تشریف لائے کئی روز تک افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اب ڈیڑھ ہفتہ بعد افاقہ ہوا ہے اور بفضلہ تعالیٰ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ہیں۔

جناب کی علم دوستی ادب پروری اور احباب نوازی کا اکثر تذکرہ رہتا ہے فرما رہے تھے کہ طبیعت ذرا سنبھلے تو محمد آباد کا سالانہ پھیرا کر آؤں۔

جناب دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں۔ بگرامی خدمت سید صاحب ہدیۂ سلام مسنون عزیزان کو پیار۔

والسلام نورالحق قریشی ایم۔اے [داماد قاضی صاحب]

(۲)

بنام صالح محمد شاہ جیلانی

۱۰شوال المکرم [مہرڈاک خانہ شجاع آباد ۲ فروری ۶۶ء]

محترم المقام حضرت شاہ صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ماہ صیام کے فیوض وبرکات مبارک ذمہ داریوں کا بوجھ مبارک۔ ہم دست بدعا ہیں، رب العزت جناب کو دارین کی سرخرو یاں عطا فرمائے آمین۔ حضرت انیس سلمہٗ کئی دنوں سے چپ ہیں خدا کرے خیر ہو، احوال واحکام سے نوازتے رہیں۔ برادر مکرم مولانا قادر بخش صاحب، جناب رانہ صاحب ودیگر جملہ احباب کو نام بنام ہدیۂ سلام مسنون۔ عزیزان کو پیار۔ از اندرون بہ اندرون ہدیۂ دعوات، میرے سفر کے لئے چھوٹی گول ٹوکری معہ ڈھکنے کے تیار کرا چھوڑیں شاید آتے جاتے منگوالوں والسلام

دعاگو احسان احمد عفی عنہ

(۳)

شجاع آباد

۵ صفر المظفر ۱۳۸۶ھ [مہرڈاک خانہ ۲۹ مئی ۱۹۶۶ء]

حضرت مخدوم صاحب، وعلیکم السلام، حضرت اباجان 27 مارچ سے سخت بیمار ہیں۔ نشتر ہسپتال کا علاج جاری ہے۔ مشہور سرجن ڈاکٹر

عبدالرؤف صاحب کے زیر علاج ہیں اب بخار نہیں ہے سوزش گردہ کی تکلیف باقی ہے کمزوری انتہا درجہ کی ہے۔ کروٹ بھی خود نہیں لے سکتے دعا فرمائیں۔ بخدمت حضرت سید صالح محمد شاہ صاحب مضمون واحد ہے حضرت ابا جان فرما رہے ہیں اگر آپ اپنی آنکھوں سے ناراض ہو سکتے ہیں تو میں بھی اپنے آنکھوں سے ناراض ہو سکوں گا خدا نہ کرے۔
والسلام

آپ کی بھتیجی (بنت قاضی صاحب)

لباس عریانی ڈھانپنے کے لئے تھا
اب لباس سے عریانی کا کام لیا جا رہا ہے

قاضی احسان احمد
(بروایت سید مبارک شاہ جیلانی)

گر سامنے تیرے کوئی بدخو آئے
تجھ میں نہ ذرا فرق سر مو آئے
احسان سے نہیں عود سے خوش خلقی سیکھ
جو تجھ کو جلائے اسے خوشبو آئے

احسان احمد شجاع آباد

حیرت شملوی اکاڈمی
کا
آئندہ لائحہ عمل زیرِ ترتیب، زیرِ طبع

۱۔ کلیاتِ نظم حیرت شملوی
۲۔ مکتوبات حیرت شملوی (اردو)
۳۔ مکتوبات حیرت شملوی (انگریزی)
۴۔ مکتوبات مشاہیر پاک و ہند بنام حیرت شملوی
۵۔ ملفوظات از حیرت شملوی
۶۔ مضامین حیرت شملوی
۷۔ حاشیے از حیرت شملوی
۸۔ ٹیگور کی کہانیاں، ترجمہ حیرت شملوی
۹۔ تذکرۃ الشعراء از حیرت شملوی
۱۰۔ بُنیادی اردو قاعدہ از حیرت شملوی
۱۱۔ بنی اسرائیل کا چاند (ناول) ترجمہ حیرت شملوی
۱۲۔ منتخب اشعار (فارسی) از حیرت شملوی
۱۳۔ منتخب اشعار (اردو) از حیرت شملوی
۱۴۔ ضرب الامثال فارسی مع ترجمہ از حیرت شملوی
۱۵۔ انتخابِ حیرت (نظم)
۱۶۔ انتخابِ حیرت (نثر)
۱۷۔ حیرت شملوی مشاہیر کی نظر میں
۱۸۔ یادش بخیر (تذکرہ) از حیرت شملوی
۱۹۔ سوانح عمری حیرت شملوی مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۲۰۔ حیرت، تصویروں میں

۲۱۔ نوازش نامے (مطبوعہ) مرتبہ سید انیس شاہ جیلا[نی]
۲۲۔ غزلیات رئیس امروہوی
۲۳۔ حرفِ پریشاں، از پروفیسر نظیر صدیقی
۲۴۔ مکاتیب نیاز فتحپوری مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۲۵۔ قاضی جی (مطبوعہ) مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۲۶۔ ریاض و نیاز از، سید مبارک شاہ جیلانی
۲۷۔ ضیاء الدین احمد برنی۔ مرتبہ سید انیس شاہ جیلا[نی]
۲۸۔ روزنامچہ ۱۹۵۷ء از رئیس احمد جعفری
۲۹۔ مکتوبات عبدالماجد دریابادی بنام رئیس احمد جعفری
۳۰۔ نیاز فتحپوری (مطبوعہ) مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۳۱۔ مکتوبات رُش صدیقی بنام سید مبارک شاہ جیلانی
۳۲۔ مکتوبات سید اشرف علی تھانوی بنام پیر فخر الدین شاہ جیلانی، پیر بشیر محمد شاہ جیلانی
۳۳۔ خطوط مشاہیر بنام، رئیس احمد جعفری
۳۴۔ کالا کافر مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۳۵۔ رئیس احمد جعفری کے خط سید مبارک شاہ جیلانی کے نام
۳۶۔ رئیس احمد جعفری دیدہ و شنیدہ، مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۳۷۔ مولوی عبدالحق، مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
۳۸۔ شخصیات، از رئیس امروہوی
۳۹۔ غزلیات (سندھی) از شیخ محمد فاضل
۴۰۔ خطوط رئیس امروہوی کے نام (ادبی)